

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب

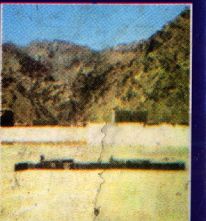
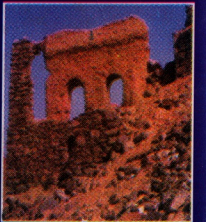
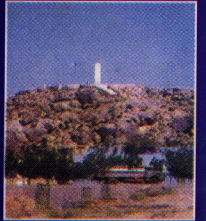
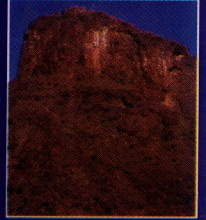
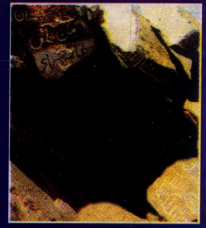
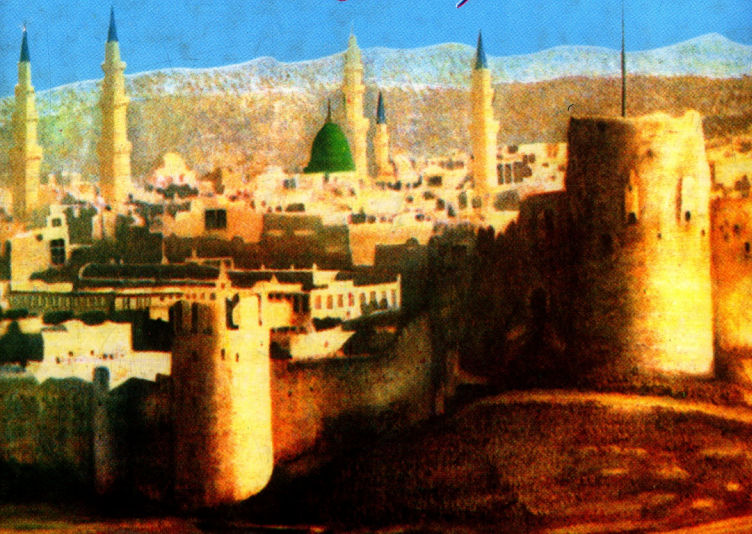
تقدیس والہی المصطفیٰ ﷺ کا اردو ترجمہ

تقدیس والدین مصطفیٰ ﷺ

آنحضور ﷺ کے والدین اور اجداد کا دینی مقام و رتبہ

ترجمہ تحقیق و تالیف

ڈاکٹر محمود الحسن عارف



قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی مؤلف تفسیر مظہری کی ایک

نادر تحریر

تقدیس والدین مصطفیٰ ﷺ

آنحضرت ﷺ کے والدین سعیدین اور اجداد پر ایک ایمان افروز تحریر



ترجمہ، تعلق و تحقیق

ڈاکٹر محمود الحسن عارف



735- ہمالاک

علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون : 7460474 / 5416396



مرکز ادب اسلامی

فہرست عنوانات

فہرست عنوانات

تقدیس والدین مصطفیٰ ﷺ

(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اجداد کا دینی مقام و رتبہ)

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷	(۲) معتب ہونے کا مسلک	۳	فہرست عنوانات
	(۳) نجات یافتہ ہونے کا مسلک (اور اس کی وجہ):	۷	حرفہ چند (از سید نقیس الحسینی دامت برکاتہم)
۳۲	(الف) زمانہ فترت میں ہونا	۸	انتساب
۳۳	(ب) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ملت حنیفہ کا حامل ہونا	۹	حرف ابتدا
۳۶	(ج) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق استغفار کی اجازت نہ ملنے والی روایات کا جائزہ		تقدیم (مقدمہ)
	(د) آپ کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کے (آپ پر) ایمان لانے کا مسلک	۱۱	۱۔ سرزمین ہند کی خصوصیات
۳۳	(ه) علامہ آلوسی کا موقف	۱۲	۲۔ تحریک نشاۃ ثانیہ اسلام اور اس میں صاحب تصنیف کا حصہ
۳۵	(۴) روایات کا تجزیہ	۱۳	۳۔ زیر نظر کتاب کا تصنیفی پس منظر
۳۶	۵۔ کتاب پر تبصرہ	۱۴	۴۔ نسخے کی دریافت
	(الف) کتاب کے مضامین پر ایک نظر	۱۸	موضوع کا جائزہ (اور محبت نبوی کے تقاضے):
۳۸	(ب) آنحضور کے خاندان کے فضائل	۱۹	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مؤمن ہونے کا نظریہ، تاریخی تناظر میں
۳۹	(ج) کیا آنحضور کے اجداد مؤمن تھے	۲۶	(۱) خاموشی (سکوت کا مسلک)

(جملہ حقوق محفوظ)

طبع اول : شوال ۱۴۲۱ھ / جنوری ۲۰۰۱ء

تعداد : ۱۰۰۰

طالع : ادبستان لاہور

ناشر : حافظ طارق محمود عارفی O حافظ شاہد محمود عارفی

مرکز ادب اسلامی، ۷۳۵، ہمالیا لاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔ فون 5416396 / 7460474

قیمت : 130/- روپے

تقسیم کار:

۱۔ مکتبہ ادبستان 43۔ ریٹی گن روڈ، لاہور

فون نمبر: 7117793

۲۔ دارالکتاب، عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

۳۔ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور

۴۔ خان بک ڈپو، لوئر مال، لاہور

۵۔ مکتبہ مدنیہ، 17۔ اردو بازار، لاہور

۱۱۷	محبت الطبری اور ابو بکر الخطیب کی روایات
	(عن عائشہ)
۱۱۸	الہی کی روایت.....
۱۲۰	(سند پر تبصرہ، ح ۱۳)
	اس روایت کے متن اور سند کے متعلق
۱۲۳	محمد ثین کے اقوال.....
۱۲۵	اصحاب کہف کے واقعہ سے استدلال
	تیسرا مصلک: آنحضورؐ کے والدین ملت
۱۲۷	حنفیہ پر عامل اور کاربند تھے
	آنحضورؐ کے والدین پر جہنم کی حرمت
۱۲۹	والی حدیث
	اختتامیہ [فوائد]
	فائدہ ۱: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
۱۳۱	والدین کے ادب و احترام کا حکم
۱۳۱	ابواء کا مقام..... (ح ۱)
۱۳۲	فائدہ ۲: سورۃ الشعراء، آیت ۲۱۹ کی تفسیر
۱۳۳	الصغدی کے اشعار
	فائدہ ۳: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
۱۳۴	کے والدین کے بارے میں بدگویی کا حکم
	فائدہ ۴: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
	قریبی رشتہ داروں کے متعلق بدزبانی سے
۱۳۵	گریز کا حکم
۱۳۶	فائدہ ۵: ابولہب کا انجام
	فائدہ ۶: ابولہب کی طرف سے اپنی باندی
۱۳۶	کو آزاد کرنے کا نتیجہ

حرفے چند

از

سید انور حسین نقیس الحسینی، دامت برکاتہم

ہندوستان کی تاریخ میں قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کا نام کسی وضاحت اور تعارف کا محتاج نہیں ہے، آپ شاہ ولی اللہ دہلوی کے شاگرد و رشید اور پیر طریقت، مرزا مظہر جانجاناں کے تربیت یافتہ اور خلیفہ خاص تھے۔ آپ نے ایک ایسے وقت میں ہوش سنبھالا جب ہندوستان پر غیر مسلم قوتیں پورے زوردار طریقے سے حملہ آور تھیں اور مسلمانوں کی عزت اور وقار کا نشان مظہر حکومت زوال اور انحطاط کا شکار تھی۔ قاضی صاحبؒ نے نہ صرف اس وقت کے موجود قوتوں کا مقابلہ کیا، بلکہ آپ نے آئندہ آنے والے کئی قوتوں کی نشان دہی بھی کی۔ قاضی صاحب کی کتاب السیف المسلول اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

قاضی صاحبؒ نے علوم و معارف قرآنیہ کو عام کرنے کے لیے قرآن مجید کی عام فہم اور سلیس عربی زبان میں تفسیر (تفسیر مظہری) لکھی جو ان کی جلالت قدر اور علمی و فکری عظمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

اپنی تفسیر میں قاضی صاحبؒ نے دو مقالات پر اپنی عربی تصنیف: "تقدیس والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" کا حوالہ دیا ہے، یہ کتاب قاضی صاحبؒ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے اثبات پر لکھی ہے اور اس میں انہوں نے اس عنوان پر بڑی دل آویز اور عمدہ بحث کی ہے۔ یہ کتاب ابھی قلمی صورت میں تھی۔ عزیز محترم ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے اسے کوئٹہ کے محترم آغا ابو حفص سے حاصل کر کے ترجمہ و تحقیق کے ساتھ طبع کر دیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب اردو خواں طبقے میں قبول عام اور اہل علم و فضل کے ہاں سند اعتماد حاصل کرے گی اور اردو ادب میں ایک عمدہ اضافہ ثابت ہوگی۔

(احقر نقیس الحسینی)

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

۱۷۷۔ کریمپارک، راوی روڈ، لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

حرف ابتدا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور خاندان سے محبت ہر مسلمان کا بنیادی ورثہ ہے۔ یہی جذبہ اسے زندگی بھر ایک ”مرکز“ سے وابستہ رکھتا ہے اور پھر مرکز سے یہی وابستگی اس کی آرزوں اور امیدوں کا ماویٰ و ملجأ بن جاتی ہے۔ اسی سے اس کی پرسکون صمیمیت اور محبت بھری شاخیں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ وہ سوتا ہے تو اسی کے خواب اسے سکون بخشتے ہیں، وہ جاگتا ہے تو اسی کی آرزو، اس کی بے کلی اور بے کیفی کو سکون و اطمینان عطا کرتی ہے۔

پھر جس ”ذات“ سے بندے کو محبت ہو جائے، اس کا تمام خاندان اس کی محبتوں اور عقیدتوں کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اس کے ہر فرد سے اس کی شناسائی اسے ان کے ادب و احترام پر مجبور کرتی ہے، یہی کچھ اس کتاب میں آپ کو نظر آئے گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب امت کے لیے ان کے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اولاد سے زیادہ محبوب ٹھہرے، تو کوئی مسلمان آپ کے والدین سعیدین یا آپ کے دوسرے نہی بزرگوں کے متعلق کوئی ناپسندیدہ بات سننا بھلا کیسے گوارا کر سکتا ہے؟ یہی بات اس کتاب کی تالیف اور اس کے ترجمہ و تحقیق کا باعث بنی۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ”(م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) ہندوستان کے بہت ہی معروف محقق اور عالم ہیں، انہوں نے ہندوستان میں عربی زبان کی پہلی مبسوط تفسیر (تفسیر مظہری) مدون فرمائی اور اس کے علاوہ چالیس کے قریب کتب و رسائل تصنیف و تالیف فرمائے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں دو مقامات پر (جن کی تفصیل آئندہ مقدمہ میں بیان ہوگی)، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے اثبات پر، ایک

”انتساب“

اپنی شریک حیات

”بیگم راشدہ محمود“

کے نام

مؤلف

رسالے کا تذکرہ کیا ہے۔ ہماری طرح تفسیر مظہری کے ہر قاری کی خواہش اسے دیکھنے کی ہوگی۔ ہم نے اس رسالے کو اپنے ایک ایک مہربان (آغا ابو حفص عمر) سے حاصل کر کے اس کا اردو ترجمہ (تحقیق کے ساتھ) شائع کر دیا ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اس رسالے کو آسان، عام فہم اور سلیس زبان میں ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے اور رسالے کے اکثر حوالہ جات اور اس کے رجال کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان اضافوں سے یہ رسالہ اپنے قارئین کے ہاں ضرور سند قبول حاصل کرے گا۔

ہم اپنے اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ اس رسالے کے قارئین ہی کریں گے، اس رسالے کی ترتیب و تدوین کے ضمن میں، میں اپنے شیعہ کے ڈاکٹر محمد امین صاحب، آغا ابو حفص عمر (کوئٹہ) اور محترم سعد سروچی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کے سلسلے میں مفید مشوروں سے نوازا۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ / دسمبر ۱۹۹۹ء

(مؤلف)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقدیم

الحمد لله منثنی الخلق من عدم ثم الصلوة علی المختار فی القدم

یوں تو اللہ تعالیٰ نے بر عظیم پاک و ہند کی سر زمین کو بے شمار خوبیوں اور ان گنت صفات سے آراستہ و پیراستہ کیا ہے: اس سر زمین پر دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیاں ہیں۔ دنیا کے بہترین دریا اس سر زمین کو سیراب کرتے ہیں اور دنیا کے بہترین زرخیز میدان اسی خطے میں واقع ہیں۔ یہ سر زمین اپنے لہلہاتے ہوئے سبزے، اپنے گنگناتے ہوئے چشموں اور اپنے خوبصورت جانوروں کی بنا پر تو، ”جنت نظیر“ ہے ہی، اسے قدرت نے علم و فضل، ورع و تقویٰ اور ادب و فلسفہ کے خزانوں سے بھی خوب مالا مال کیا ہے۔ یہ سر زمین جہاں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ، خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ، خواجہ نظام الدین دہلویؒ اور مخدوم شیخ علی بھویریؒ جیسے اقطاب اور ابدالوں کی سر زمین رہی ہے، وہاں اس سر زمین سے، شیخ علی المتقیؒ، شیخ علی المہامیؒ، ملا جیونؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور علامہ اقبالؒ جیسے علماء، فضلاء اور فلسفی بھی اٹھے۔ الغرض یہ سر زمین ہر پہلو سے چندے آفتاب و چندے ماہتاب رہی ہے۔ اسی لیے اس زمین سے پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی خوشبو محسوس ہوئی۔

اس سر زمین کو ایک اور پہلو سے بھی امتیاز حاصل ہے وہ یہ کہ یہ سر زمین تاریخ کے ہر دور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مبارک خاندان کی محبت و

عقیدت سے سرشار رہی ہے۔ اس محبت کو ہم ”توہم پرستی“ کہیں یا ضعیف الاعتقادی، لیکن یہ ایک کھلی اور بے پایاں حقیقت ہے کہ اس سرزمین کا ”خمیر“ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بابرکت خاندان کی محبت سے اٹھایا گیا ہے۔ اس لیے آپ کی ذات اور آپ کے خاندان سے محبت کا اظہار، جتنا اس سرزمین سے نظم و نثر میں ہوا ہے وہ دنیا کے کسی اور خطے میں دیکھنے میں نہیں آتا۔

اس خطے کے ”لوگ“ خاندان نبوت سے، اپنی محبت کا اظہار اپنی اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق کرتے رہے ہیں: شاعروں نے پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ قصیدے اور نعتیں نظم کیں۔ ادیبوں نے ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا اظہار ادبی پیرائے اور علمی اسلوب میں کیا۔ علماء نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے خاندان کے لوگوں کے حالات لکھے۔ دین دار لوگ درود و وظائف آپ کی نذر کرتے رہے اور عام لوگ مجالس میلاد اور محافل سیرت میں شامل ہو کر اس کا اظہار کرتے رہے۔ کبھی موقع آیا تو ”غازی علم الدین“ بن گئے اور کسی گستاخ رسول کو جہنم رسید کر کے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ الغرض یہاں

وللناس فیما یعشقون مذاہب

کا طریقہ اور انداز دیکھنے میں آتا رہا۔

ان سب طریقوں میں سے ہر طریقہ ہی ”محبت“ کی کوئی نہ کوئی ادارہ کھتا ہے، اسی لیے ہمارے لیے مناسب تو یہی تھا کہ ہم اظہار محبت کے ان سب طریقوں پر گفتگو کرتے، لیکن وقت کی تنگی دامن گیر ہے، اسی لیے اس گستان محبت میں سے صرف ایک شگوفے پر ہماری توجہ مبذول رہے گی۔

خاندان نبوی سے محبت کا یہ شگوفہ، جو ہماری آج کی گفتگو کا مرکز ہے مسلمان

حکومتوں کے دار الخلافہ دہلی کے شمال مغربی علاقے (پانی پت کے میدان) میں کھلا۔ ہماری مراد قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اور ان کے غیر مطبوعہ رسالے ”آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور بزرگوں کا دینی مقام ورتبہ“ (تقدیس والدی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے۔

۲۔ تحریک نشاۃ ثانیہ اسلام اور اس میں صاحب تصنیف کا حصہ:

قاضی صاحب جس وقت پیدا ہوئے (نواح ۱۱۳۷ھ / ۱۷۳۳ء) اس وقت ہندوستان پر اگرچہ مغلیہ حکومت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا، مگر علم و فضل کا ایک آفتاب نصف النہار پر تھا، جسے دنیا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نام سے جانتی ہے۔ شاہ ولی اللہ، جنہیں بجا طور پر ”امام العصر“ کہا جاتا ہے، اپنی بے شمار علمی خدمات کی بنا پر یگانہ روزگار تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسی مرکز سلطنت دہلی میں روحانیت و تصوف کی مسند علیا حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید دہلوی (م ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۲ء) سے آراستہ تھی۔ قاضی صاحب کو ان دونوں بزرگوں سے ہی تلمذ حاصل تھا، انہوں نے ان دونوں شخصیات سے یہی استفادہ کیا۔

اسلامی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان کے جنوبی علاقوں سے ہندومت کے احیاء کی ایک کالی گھٹا اٹھی، چنانچہ اسی دور میں نشاۃ ثانیہ اسلام کی تحریک کا زور دار طریقے سے احیاء ہوا۔ اس تحریک کی اساس ”رجوع الی القرآن والسنۃ“ پر استوار کی گئی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان سے محبت کو اس کے لیے دستور العمل بنایا گیا۔ قاضی صاحب کو یہ دونوں باتیں اپنے اساتذہ سے، وراثت میں ملیں۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی ایک ایسے علمی خاندان (خاندان عثمانی) کے فرزند تھے جس میں شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی جیسے لوگ پیدا ہوئے اور جس میں علم و فضل کئی صدیوں سے متوارث تھا۔

قاضی صاحبؒ نے اسی تحریک کے زیر اثر چالیس کے قریب کتابیں اور چھوٹے بڑے رسائل تصنیف و تالیف فرمائے۔ جن میں تفسیر مظہری جیسی عظیم علمی تصنیف بھی شامل ہے۔ قاضی صاحب کی کتابیں کسی نہ کسی طرح، اسی علمی اور فکری جہاد کا تسلسل ہیں، جسے شاہ ولی اللہؒ نے شروع کیا تھا اور جسے ان کے بعد شاہ عبدالعزیز محدثؒ اور سید احمد شہید بریلویؒ جیسے بزرگوں نے جاری رکھا۔

۲۔ خاندان نبوی پر قاضی صاحبؒ کی تصانیف:

قاضی صاحبؒ نے یوں تو اپنی تمام کتابوں میں ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان سے، محبت و شفیقتی کا کھلے لفظوں میں اظہار فرمایا ہے، تاہم انہوں نے خصوصی طور پر اس موضوع پر، حسب ذیل کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں:

۱۔ شمائل و اخلاق نبوی (جلد مبارکہ)۔ یہ کتاب خاکسار کے اردو ترجمے اور تحقیق کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں طبع ہو چکی ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل پر ایک خوبصورت اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ تقدیس والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(تقدیس والدی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اس مقالے کا موضوع۔

۳۔ رسالہ در نسب اطہر و ازواج مبارکہ و اولاد عالی گھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۔ خلاصۃ السیر (سیرت شامی کی جلد، متعلقہ شمائل و سیرت، کی تلخیص)۔ (۱)

مختصر ترین لفظوں میں، اگر کہا جائے تو یہ کہنا مناسب ہو گا کہ قاضی صاحبؒ کے نزدیک ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی تکمیل اس وقت تک

نہیں ہو سکتی، جب تک آپ کی اولاد مبارکہ، ازواج طہبات اور آپ کے خاندان کے بزرگوں سے محبت نہ کی جائے۔ اسی لیے، ان کی کتابیں دراصل اسی ”دل آویز“ حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو ”اہل دل“ بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

۳۔ ”تقدیس والدین مصطفیٰ ﷺ“ (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا دینی مقام و رتبہ) کا تصنیفی پس منظر

قاضی صاحبؒ کی مذکورہ کتب میں وہ کتابچہ، جو انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سعیدین جناب عبداللہؒ، حضرت آمنہ اور ان سے لیکر حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے بزرگوں کے ایمان کے اثبات پر لکھا ہے اور جو بڑی اہمیت و عظمت کا حامل ہے، اب تک غیر مطبوع ہے۔ یہ کتاب نامور مجددی بزرگ مولانا ابوالحسن زید دہلویؒ کے کتب خانہ (واقع چنکی قبر دہلی) میں موجود ہے۔ انہوں نے اس کو، خود قاضی صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ اس کتابچہ کے آخر میں اس پر حسب ذیل ترقیم لکھا ہوا ہے:

يقول العبد الراجي رحمة ربه القوي
ابوالحسن زيد الفاروقي المجددي
باني قد نقلت هذه الرسالة الشريفة
في تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیہ
وسلم للعالم النحریر والحبر الکبیر
القاضی محمد ثناء اللہ العثماني
رضی اللہ عنہ وارضاه فی يوم
السبت العشرين من الشهر المبارك
الذي ولد فيه سيد العرب والعجم

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قومی امید رکھنے والا ابوالحسن زید فاروقی مجددی کہ میں نے یہ کتابچہ تقدیس..... جو عالم جلیل اور علامہ کبیر قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کا ہے بروز ہفتہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۷ء کو گرمائی مقام شملہ میں رامندر ہاؤس کی دوسری منزل پر بیٹھ کر نقل کیا، تمام حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

صلوة الله وسلامه عليه بعد سبع و
خمسين وثلاثمائة بعد الالف من
الھجرة على صاحبها الف صلوة
وتحية وذلك في شمله سمرھل
رامندر ھاوس۔ الدور فوقانی ولله
الھمد (۲)

انہوں نے یہ نسخہ قاضی صاحبؒ کے اپنے ہاتھ سے نقل ہوئے نسخے سے نقل
کیا ہے، چنانچہ قاضی صاحبؒ نے اپنے نسخے کے آخر میں لکھا ہے:

قدتم ما لخصت من رسائل السيوطي في تقدیس آباء النبي صلى الله
عليه وسلم سلخ ربيع الاول ۱۱۹۱ھ (۳) (یہ کتابچہ جسے میں نے جلال الدین السیوطی
کے رسائل سے تلخیص کیا ربيع الاول ۱۱۹۱ھ میں مکمل ہوا)۔

اس کتابچے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے، کہ اپنی اس تصنیف
اور اس کے بلند پایہ موضوع کا تذکرہ قاضی صاحبؒ نے اپنی تفسیر ”تفسیر
مظہری“ میں دو بھی مقامات پر ہے، وہ سورۃ البقرہ (آیت ۱۱۹) کی تفسیر میں فرماتے
ہیں:

وقد صنف الشيخ الاجل جلال اور شیخ جلال الدین السیوطی رضی اللہ عنہ
الدین السیوطی رضی اللہ عنہ فی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
اثبات اسلام آباء النبي صلى الله والبدین کے ایمان کے اثبات پر کئی
عليه وسلم رسائل واخذت من تلك رسائل لکھے ہیں، میں نے ان کے رسائل
الرسائل رسالة فذكرت فيها ما ثبت میں سے انتخاب کر کے ایک رسالہ لکھا

اسلامهم ويفيد اجوبة شافية لما يدل ہے، جس میں ان دلائل کا تذکرہ کیا ہے
على خلافه (۴) جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
والدین کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے اور
اس کے خلاف پیش کیے جانے والے
اعتراضات کے شافی جوابات کا بھی ذکر
کیا ہے اور تمام حمد اللہ ہی کے لیے
ہے۔

اسی طرح انہوں نے سورۃ التوبہ (آیت ۱۱۳) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنی اس کتاب کا
مکرر حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے:

وقد صنف الاجل جلال الدين اور شیخ کبیر علامہ جلال الدین السیوطی
السيوطي رضی اللہ عنہ رسائل فی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ
اثبات ايمان ابوي رسول الله صلى وسلم کے والدین، تمام اجداد اور تمام
الله عليه وسلم وجميع آباءه وامهاته جدات کے ایمان کو ثابت کرنے کے لیے
الى آدم عليه السلام وخلصت منها کئی رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ میں نے
رسالة سميتها بتقدیس آباء النبي صلى ان میں سے ایک رسالہ تلخیص کر کے
الله عليه وسلم فمن شاء فليرجع لکھا جس کا نام تقدیس آباء النبي صلى اللہ
اليه (۵) علیہ وسلم ہے۔ جو شخص چاہے، اس کی

طرف مراجعت کر لے۔

نسخے کی دریافت

جن ایام (۱۹۸۰-۱۹۸۵ء) میں خاکسار قاضی محمد ثناء اللہؒ اور ان کی تفسیر
مظہری پر تحقیقی کام کر رہا تھا، ان دنوں قاضی صاحبؒ کے اس رسالے کو ہر چند تلاش

کیا، لیکن اس کا کسی جگہ سے سراغ نہ مل سکا، اسی لیے خاکسار اپنے تحقیقی مقالے میں اس کا مختصر سا تذکرہ کرنے کے علاوہ اس کے متعلق زیادہ معلومات مہیا نہ کر سکا۔

یہ اداکل ۱۹۹۹ء کی بات ہے ایک روز خاکسار دفتر میں اپنی روزمرہ کی ذمہ داریاں انجام دے رہا تھا، کہ محترم محمد سعد سروچی میرے پاس تشریف لائے (آپ مولانا محمد اسماعیل نقشبندیؒ سابق سجادہ نشین خانقاہ موسیٰ زئی تشریف کے صاحبزادے اور حقیقۃً ان کے فکری وارث ہیں)۔ باتوں باتوں میں قاضی صاحبؒ کے مذکورہ رسالے کا ذکر آیا، تو انہوں نے بتایا کہ یہ رسالہ کوئٹہ میں محترم آغا ابو حفص عمر کے پاس موجود ہے، موصوف نامور نقشبندی بزرگ مولانا ابوالحسن زید مرحوم کے قریبی عزیز ہیں۔ طے ہوا کہ خاکسار اس ضمن میں آغا صاحب کو خط لکھے گا چنانچہ خاکسار کے خط کے جواب میں، چند ہی دنوں کے بعد رجسٹرڈ ڈاک سے ایک پیکٹ موصول ہوا، جس میں قاضی صاحبؒ کے مذکورہ کتابچے کا تصویری نسخہ موجود تھا۔

ابتداءً میرا خیال تھا کہ یہ نسخہ کافی ضخیم ہو گا اور اس میں اپنے موضوع کا پوری طرح احاطہ کیا گیا ہو گا، لیکن قاضی صاحبؒ کا یہ رسالہ، خلاف معمول، مختصر ہے، حالانکہ قاضی صاحبؒ بڑے پرنویس مصنف ہیں، جب لکھتے ہیں، خوب لکھتے ہیں، تاہم مختصر ہونے کے باوجود یہ اپنے موضوع کا بڑی عمدگی کے ساتھ احاطہ کرتا ہے، جس سے پڑھنے والے کو بڑی مفید معلومات ملتی ہیں۔

۴۔ موضوع کا جائزہ:

اس سے قبل کہ اس رسالے کے مضامین پر ایک نظر ڈالی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے موضوع پر مختصر سی گفتگو کر لی جائے۔

یوں تو اسلامی تعلیمات کا دامن ”آفاق گیر“ ہے اور زمان و مکان کی کوئی قید اور بندش اس کی راہ میں حائل نہیں ہے، لیکن اسلام کی ان اعلیٰ و ارفع تعلیمات کی اساس

جن بین الاقوامی اور آفاقی اصولوں پر استوار ہے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ سے محبت و شیفتگی اور آپؐ کی اطاعت و فرماں برداری کا اصول کلیدی حیثیت رکھتا ہے، قرآن حکیم نے ہر جگہ اس نکتے پر زور دیا ہے اور اس کو ”ایمان“ کی بنیاد کہا ہے: مثلاً ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونُوا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا (۶)

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں، وہ اس کے لیے اس میں کچھ اختیار باقی رہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہ ہو گیا۔

ایک اور مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو جزو ایمان، قرار دیا گیا، ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ سَخَا أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ نِ افْتَرَقْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَ جِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ..... (۷)

کہہ دو اگر تمہارے باپ، بھائی، بیویاں، خاندان کے لوگ، وہ مال جو تم کھاتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) بھیج دے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس گونہ محبت و شیفتگی کی وجہ یہ ہے

کہ آپؐ کی ذات اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام دنیا کے لوگوں کے لیے اسوۂ حسنہ، یعنی عمل کا قابل تقلید نمونہ ہیں، لہذا جس درجے کی آپؐ سے محبت ہوگی، اسی درجے میں آپؐ کی ذات سے عملی اور روحانی فیضان بھی زیادہ ہوگا۔

قرآن حکیم نے اسی بنا پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کا تذکرہ ایسے الفاظ سے فرمایا ہے جو ادب خیز ہونے کے ساتھ ساتھ الفت بھی ہیں، مثلاً آپؐ کو تمام لوگوں کے لیے رافت و رحمت کا سرچشمہ اور رؤف و رحیم قرار دیا گیا ہے (۸) آپؐ پر لوگوں کا مشقت میں پڑنا بڑا گراں ہے (۹) یہ آپؐ ہی تھے جو لوگوں کے ایمان نہ لانے کے غم میں مسلسل گھلتے رہتے تھے، جس کی بنا پر قرآن حکیم کو، محبت آمیز پیرائے میں نصیحت کرنا پڑی۔ (۱۰) آپؐ کی ذات ان تمام اخلاق حسنہ و عالیہ کا مجموعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین ہیں (۱۱) اسی لیے آپؐ کی ذات خلق عظیم کی حامل ہونے کے باعث امت کے لیے ”اسوۂ حسنہ“ (عمل کا قابل تقلید نمونہ) ہیں (۱۲)۔

قرآن حکیم نے آپؐ کی ذات اقدس سے امت کے رشتہ محبت و مودت کو مزید مضبوط اور پختہ کرنے کے لیے، آپؐ کے ساتھ عام انسانوں کے وہ تمام رشتے بھی قائم کر دیئے ہیں جن سے باہمی الفت و محبت میں قابل رشک اضافہ ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ آپؐ کی ذات امت پر، ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتی ہے (۱۳) اور آپؐ کی ازواج طہیبات و طاہرات نہ صرف یہ کہ امت کی مائیں ہیں (۱۴) (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے روحانی والد) بلکہ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ کے لیے نکاح بھی حرام قرار دیا گیا ہے (۱۵)۔

جہاں تک بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کا تعلق ہے، جو محبت و عظمت کا لازمی تقاضا ہوتے ہیں، قرآن حکیم نے ان سے بھی امت کو خبردار کیا ہے۔ چنانچہ حکم دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ذات (یا اپنی رائے وغیرہ) کو کبھی مقدم نہ کریں (۱۶)، آپؐ کو عام لوگوں کی طرح نہ بلائیں (۱۷)، آپؐ کے روبرو

ادب، نرمی اور آہستگی سے زبان کھولیں (۱۸) اور آپؐ کے بلاوے کو عام لوگوں کے بلاوے کی طرح نہ سمجھیں (۱۹)۔ ان آداب کی خلاف ورزی انسانی اعمال کی بربادی اور ان کے اکارت ہونے کا ذریعہ بن سکتی ہے (۲۰)۔

قرآن حکیم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہی نہیں، بلکہ آپؐ کے قریبی عزیزوں سے بھی محبت و الفت رکھنے کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد فرمایا: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ کہہ دو، کہ میں تم سے اس پر کوئی صلہ فی القربی (۲۱) نہیں مانگتا، مگر قرابت کی محبت تو چاہیے۔

متعدد تابعین نے نامور صحابی اور حبر الامت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ”مودة فی القربی“ سے مراد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں سے محبت و مودت ہے، چنانچہ ابن ابی حاتم، الطبرانی اور ابن مردویہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں (۲۲)، جبکہ عام قول کی رو سے اس سے مراد یہ ہے کہ قریش مکہ کم از کم اس قرابت داری کا ہی لحاظ کریں، جو انہیں بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔

اس کے علاوہ حضرت زید بن ارقم کی حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذکرکم اللہ فی بیتی (۲۳) میں تمہیں اپنے گھر والوں کے بارے میں

اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں۔

قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ احادیث طیبہ میں بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ سے محبت و مودت رکھنے کا درس دیا گیا ہے، مثال کے طور پر، ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

لا يؤمن احدكم حتى اكون احب تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک
اليه من والده و ولده والناس مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک میری
اجمعين (۲۴) ذات اسے اس کے باپ، اولاد اور سب
لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

چنانچہ امام بخاریؒ نے ”حب الرسول من الايمان“ پر ایک مفصل باب قائم کیا
ہے (۲۵) جس میں اسی نکتے پر زور دیا گیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة جس شخص میں تین باتیں موجود ہوں، وہ
الايمان من كان الله ورسوله احب ايمان کی حلاوت پالے گا: جس کو اللہ تعالیٰ
اليه مما سواهما و من احب عبدا اور اس کا رسول، باقی سب لوگوں سے
لا يحبه الا لله و من يكره ان يعود في زيادہ محبوب ہو، (دوم) وہ جو کسی بندے
الكفر بعد ان انقذه الله منه کما سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے
يكره ان يلقى في النار (۲۶) اور (سوم) وہ جو شخص کفر سے نجات ملنے
کے بعد اس کی طرف لوٹنے کو اس طرح
ناپسند کرے جیسے کہ وہ جہنم میں ڈالے
جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث طیبہ کے ان بیہم بیانات اور صاف و صریح ارشادات
سے یہ بات بخوبی عیاں ہو جاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسیہ سے
محبت مرکز ”ایمان“ ہے جس کے بغیر اسلام کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

پھر عموماً کسی ”فرد“ سے محبت ”تنہا“ نہیں کی جاتی، بلکہ محبت کا دائرہ اس کے
خاندان، قبیلے اور متعلقین و متوسلین تک وسیع ہوتا ہے اور محبت کرنے والا خود کو ہر اس نقش پا

سے محبت کرنے پر مجبور پاتا ہے جو ”دیاریار“ تک پہنچنے والے اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔
خود قرآن حکیم میں ”محمد رسول الله“ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے
ساتھ ”والذين معه“ (جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں) کا تذکرہ بھی اسی محبت بھرے
انداز کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اگر تمہاری محبت محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کے ساتھ سچی اور بے لوث ہے، تو تمہارے دلوں میں ان لوگوں کی بھی محبت پیدا
ہو جائے گی جو ماہتاب نبوت کے لیے ”حلقے“ کی سی اہمیت رکھتے ہیں۔

پھر جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے، جنہیں خاندان نبوی ہونے کا اعزاز و
رتبہ حاصل ہے، تو ان میں سے ہر فرد مسلمانوں کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرجع ہے،
چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ يَحْيَا، وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے
اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۲۷) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے
ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا و آخرت میں
لعنت کی ہے۔

اس موقع پر نازل ہوئی، جب منافقین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے
میں جھوٹی باتیں گھڑ کر پھیلا دی تھیں (۲۸)، اس کے علاوہ سورۃ النور میں واقعہ اُفک کا
ردّ جس طرح کے سخت ترین الفاظ و کلمات میں فرمایا گیا ہے اس سے بھی اس خیال اور
قیاس کو تائید پہنچتی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ و اقارب بھی،
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ”محبت“ کے زمرے میں داخل ہیں، اسی لیے واقعہ
افک پر بحث کا اختتام

الطَّيِّبَاتِ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ نیک عورتیں نیک مردوں کے لیے اور
لِلطَّيِّبَاتِ الآية (۲۹) نیک مرد نیک عورتوں کے لیے ہیں۔

پر ہوا ہے، جس میں خاندان نبوت کے بارے میں محتاط رہنے کا مضمون بڑی عمدگی کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

الغرض قرآن حکیم، احادیث طیبہ اور ائمہ اسلام کے اقوال کی روشنی میں، یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان مسلمانوں کے لیے ایک شاہی خاندان کی حیثیت رکھتا ہے، جن کے ہر فرد سے محبت و عقیدت مسلمانوں کے ایمان کا حصہ اور جزو ہے۔

اس فہرست میں آپ کے خاندان کے وہ لوگ تو بلا اختلاف داخل ہیں، جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور جنہوں نے آپ کے مرتبہ نبوت کو پہچانا..... جیسے حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور آپ کے خاندان کے دوسرے نقوس قدسیہ ہیں۔

البتہ خاندان نبوی کے وہ افراد جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے..... علماء نے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

قسم اول ان لوگوں پر مشتمل ہے، جن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی گئی اور انہوں نے اسے قبول نہیں کیا، جیسے ابولہب اور (اکثر روایات کی رو سے) جناب ابوطالب وغیرہ..... ان لوگوں کے بارے میں، اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ لوگ دعوت اسلام کو رد کرنے کے باعث مستحق عذاب و عتاب ہیں، البتہ..... ان کا..... خصوصاً جناب ابوطالب..... کا تذکرہ ادب و احترام کا متقاضی ہے۔

دوسری قسم ایسے بزرگوں پر مشتمل ہے، جنہوں نے ”بعثت نبوی“ سے قبل انتقال فرمایا اور انہیں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی،..... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بزرگوں کا حکم مختلف فیہ ہے..... اور یہی مسئلہ زیر بحث رسالے کا موضوع ہے۔

- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مؤمن ہونے کا نظریہ تاریخی تناظر میں:

مذکورہ بالا فہرست میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسی صفات والدین (جناب عبد اللہ اور حضرت آمنہ) کے اسماء مبارکہ سرفہرست ہیں،..... یہی دونوں بزرگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ”دنیا“ میں تشریف آوری کا ظاہری سبب اور وسیلہ بنے..... اور لاکھوں انسانوں پر مشتمل اس دنیا میں وہی دونوں اس ”سعادت عظمیٰ“ کے حق دار اور سزاوار قرار پائے..... یہ مرتبہ بلند اور یہ شرف عظیم..... خدائے بخشنہ کی بخشش اور عطا کے بغیر ناممکن ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع جناب عبد اللہ کی موجودگی مختلف فیہ ہے، بعض روایات کی رو سے، انہوں نے اس وقت انتقال فرمایا، جب آپ ابھی شکم مادر میں تھے۔

جبکہ آپ کی والدہ سعیدہ نے آپ کی ۸ یا ۶ برس تک پرورش فرمائی اور اس وقت دنیا سے پردہ فرمایا جب آپ نے اپنی زبان سے بولنا اور اپنے قدموں سے چلنا سیکھ لیا تھا، لیکن چونکہ ان کے متعلق قبول ایمان کی کوئی ”صراحت“ نہیں ملتی، بلکہ بعض روایات کے الفاظ اس کے خلاف ہیں، اس لیے امت میں ان کے مؤمن ہونے کا مسئلہ اختلافی رہا ہے۔

یہی حال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کے اجداد اور جدات کا ہے۔ پھر امت میں اس بارے میں بھی کوئی اختلاف و نزاع نہیں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد اور جدات اپنے زمانے کے بہترین لوگ تھے۔ ان کے باہمی تعلقات نکاح پر مبنی تھے یہ لوگ غلط روی اور فسق و فجور سے دور تھے۔ یہ تمام مرد اور تمام خواتین اخلاقی اور نسبی اعتبار سے برگزیدہ اور عمدہ ترین لوگ تھے۔ تاہم جہاں تک

ان بزرگوں کی نجات اور عدم نجات کا تعلق ہے، تو اس بارے میں ان کے ایمان کی صراحت نہ ہونے کی بنا پر بحیثیت عمومی اس بارے میں درج ذیل مسالک سامنے آتے ہیں:

(۱) خاموشی (سکوت)

ان بزرگوں کے ساتھ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی رشتہ تھا اور پھر ان کا انتقال ایک ایسے دور (دور فترت) میں ہوا جب لوگ اسلام کی روشنی سے محروم تھے، اس لیے ان کے بارے میں جمہور امت نے (جس میں ائمہ اربعہ..... کے علاوہ امت کے اکثر اکابرین شامل ہیں) سکوت (خاموشی) کا مسلک اختیار فرمایا ہے، ہمارے خیال میں یہی مسلک سب سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔

وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ (نجات و عدم نجات) چونکہ عالم آخرت سے تعلق رکھتا ہے، جہاں فیصلوں کا کامل اختیار ”مالک الملک“ اور مالک یوم الدین“ (جزا و سزا کے دن کے مالک) کو ہوگا، جو اس بارے میں کسی کی مداخلت یا شرکت گوارا نہیں فرماتا..... لہذا کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خصوصاً اس قسم کے اختلافی موقعوں پر زبان کھولے۔

علاوہ ازیں ان بزرگوں کے خاندان نبوت میں سے ہونے کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ان کی نجات و عدم نجات کے متعلق اپنی زبان کو بند رکھا جائے، اور اس ”مقدمے“ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت و مشیت کے سپرد کر دیا جائے۔

علاوہ ازیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور بزرگوں کے عمومی رویے اور ان کے اخلاق عالیہ کے متعلق جو روایات ملتی ہیں، ان کے مطالعے سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ بزرگ اتنے نیک طبع اور صالح فطرت تھے کہ اگر ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جاتی، تو وہ یقیناً اس دعوت کو نہ صرف یہ کہ قبول کرتے، بلکہ اس

کے سچے داعی اور مخلص ترین مبلغ بھی قرار پاتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت کا یہی تقاضا تھا کہ آپؐ کو بچپن ہی میں ان کے سائے سے محروم کر دیا جائے اور ان ہستیوں کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیا جائے، اس لیے بھی ان کا ”معاملہ“ مکمل طور پر سکوت کا متقاضی ہے۔

مزید براں اسلام کی عمومی ”تعلیمات“ اور قرآن کریم کے حکیمانہ فلسفے کے ذریعے اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر شخص کے ساتھ مکمل طور پر عدل و انصاف کیا جائے گا اور عدل کے ترازو پر نہ صرف یہ کہ ان کے اعمال کو تولد جائے گا، بلکہ اس امر کا بھی جائزہ لیا جائے گا کہ آیا انہیں اسلام کی روشنی پہنچی تھی یا نہیں؟..... اس طرح وہ لوگ، جو اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں نرمی اور رعایت کے مستحق قرار پائیں گے۔

لیکن چونکہ اسلام کے ”دور متوسطہ“ میں وہ مسائل بھی زیر بحث لائے گئے،..... جن پر خاموشی اور سکوت بہتر تھا،..... جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپؐ کے بزرگوں کے نجات و عدم نجات کا مسئلہ بھی شامل ہے..... اس لیے اس بارے میں امت کا سکوت (خاموشی) والے مسلک پر اتفاق نہ رہ سکا۔

(۲) معتبوب ہونے کا مسلک

اس سلسلے میں دوسرا مسلک یہ ہے، کہ وہ (العیاذ باللہ) دور جاہلیت کے دوسرے لوگوں کی طرح بارگاہ خداوندی میں ماخوذ اور معتبوب ہوں گے۔

یہ نظریہ، چند روایات و آثار کی بنا پر پیدا ہوا اور غالباً یہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے دوران میں پیدا ہونے والے فروعی مباحث کی پیداوار ہے..... ایسی ہی روایات..... قاضی صاحبؒ کے زیر نظر رسالے کا موضوع ہیں اور قاضی صاحبؒ نے ان پر مفصل اور عمدہ بحث کی ہے۔

اجمالی طور پر اگر ان روایات کا جائزہ لیا جائے تو انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ایک حصہ تو وہ ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی..... اور اللہ تعالیٰ سے مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت مانگی، مگر اجازت نہ دی گئی۔ علامہ جلال الدین السیوطی اور قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی وغیرہ حضرات کے نزدیک..... یہ روایت اگرچہ صحیح مسلم میں مروی ہے، لیکن محل نظر ہے، اس لیے کہ اس میں قبر کا جو موقع و محل بیان ہوا ہے وہ درست نہیں ہے، کیونکہ اکثر روایات کی رو سے آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر مدینہ منورہ سے چند کوس کے فاصلے پر واقع مقام ابواء میں ہے، نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔ محققین کے نزدیک یہ راوی کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے، ممکن ہے کہ آپ نے جنت المعلیٰ (مکہ مکرمہ) میں اپنے کسی دوسرے مشرک عزیز کی قبر پر حاضری دی ہو اور راوی نے اسے آپ کی والدہ کی قبر سمجھ لیا ہو (اس پر مفصل بحث آپ کو متن کتاب میں نظر آئے گی)۔

دوسری قسم ایسی روایات کی ہے جن میں مذکور ہے کہ آپ نے بعض صحابہ کے ساتھ گفتگو کے دوران یہ فرمایا: ”میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے“..... اس کے متعلق قاضی صاحب اور بعض دوسرے محدثین کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد مبارک محض ”توریہ“ کے طریقے پر تھا، اس روایت پر بھی مفصل بحث آپ کو متن کتاب میں ملے گی۔

جن محدثین اور مفسرین نے اس کی نظریے کی صراحت کی ہے جن میں سے حسب ذیل تین بزرگ خصوصاً قابل ذکر ہیں:

پہلے بزرگ علامہ ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی (۳۸۴ھ/۹۹۴ء۔ ۴۵۸ھ/۱۰۶۶ء) ہیں، جنہوں نے اپنی کتاب التحلیہ میں اس عنوان پر چند روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وکیف لا یكون ابواه وجده عليه
الصلوة والسلام بهذه الصفة في
الآخرة وقد كانوا يعبدون الوثن
حتى ماتوا ولم يدينوا دين عيسى بن
مریم عليه السلام وكفرهم لا یقبح
في نسبه عليه الصلوة والسلام لان
انكحة الكفار صحيحة (۳۰)

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ کے جد امجد کا آخرت میں یہ حال (بتلائے عذاب ہونے کا) کیوں نہ ہو، اس لیے کہ یہ لوگ اپنی وفات تک بتوں کی پوجا کرتے رہے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین بھی اختیار نہیں فرمایا، تاہم ان کے کفر سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پر حرف نہیں آتا۔ اس لیے کہ کفار کے نکاح صحیح ہوتے ہیں۔

تاہم علامہ ابو بکر البیہقی کی جلالت قدر اپنی جگہ، لیکن یہاں یہ کہنا عین مناسب ہو گا کہ انہوں نے اس رائے کے حق میں جن دودلائل کا ذکر فرمایا ہے، اہل بصیرت بخوبی جانتے ہیں کہ یہ دونوں دلائل کمزور ہیں، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ”بت پرستی“ کرنا کسی مستند دلیل سے ثابت نہیں ہے اور محض کیسی معاشرے کے بگاڑ سے ان کی بت پرستی پر استدلال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں، خصوصاً اس لیے کہ اسی معاشرے میں موحدین کی بہت بڑی جماعت موجود تھی، جو شرک و بدعات متفرق تھی۔ ان حالات میں محض استحباب حال کو ان کے ”شرک“ کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

ربان کا یہ کہنا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے..... بادی النظر میں یہ اعتراض اتنا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ امام البیہقی جیسا شخص بھی اس کی کمزوری کو نہیں بھانپ سکا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اناجیل اربعہ اور نص قرآنی کے مطابق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا دائرہ صرف خاندان بنی اسرائیل تک محدود تھا چنانچہ سورۃ الصف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي - اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب (حضرت) إِسْرَافِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ عِيسَى بن مریم نے کہا ”اے اولاد یعقوب“ إِلَيْكُمْ..... (۳۱)

یقیناً میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں۔

اس لیے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں پر، امام الیہمؑ کا یہ اعتراض محض ”اعتراض برائے اعتراض“ کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسری جلیل القدر شخصیت، جس نے اس موقف کا اثبات کیا ہے، علامہ ابن کثیرؒ کی ہے وہ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ان مقدس بزرگوں کا تذکرہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

واخباره عن ابويه و جدہ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے عبدالمطلب بانہم من اهل النار لا والدین اور اپنے جد امجد جناب ینافی الحديث الواردة عنه من طرق عبدالمطلب کے بارے میں یہ خبر دینا کہ متعددة ان اهل الفترة والاطفال وہ دوزخی ہیں، اس حدیث کے منافی نہیں والمجانين والصم یمتحنون فی ہے جو کئی طریقوں سے مروی ہے، جس العرصات يوم القيامة کما بسطناه میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن زمانہ سنداً و متناً فی تفسیرنا عند تفسیر فترت کے لوگوں، بچوں، دیوانوں اور قولہ تعالیٰ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى بہروں کا امتحان لیا جائے گا، جیسا کہ ہم نَبَعَتْ رَسُولًا..... فیکون منهم من اپنی تفسیر میں ارشاد باری تعالیٰ ”ہم اس یحییٰ ومنہم من لا یحییٰ فیکون وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیں گے،

منہم من یحییٰ ومنہم من لا یحییٰ جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیج دیں“ فیکون هؤلاء من جملة من لا یحییٰ کی تفسیر کے تحت پوری تفصیل سے، اس ملا منافاة ولله الحمد و روایت کی سند اور متن پر بحث کر آئے المنة..... (۳۲)

ہیں۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ مثبت جواب دیں گے اور کچھ جواب نہیں دیں گے اور یہ لوگ (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اجداد) ایسے افراد میں شامل ہوں گے جو جواب نہیں دیں گے، لہذا (انجام کے اعتبار سے) دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

اس عبارت میں، علامہ ابن کثیرؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں اپنے خیال میں ”دونوں طرح“ کی روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن افسوس کہ انہوں نے شک کا فائدہ ”ملزمان“ کو دینے کے بجائے ”مدعیوں“ کو پہنچایا ہے حالانکہ اصول یہ ہے کہ، شک کا فائدہ ”ملزمان“ ہی کو دیا جاتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے روز محشر کو ”اہل فترت“ سے امتحان لینے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے سے ابو جہل، عتبہ اور شیبہ کے بزرگوں کو فائدہ پہنچے گا، تو ہادی ام، سرور کون و مکان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اس رعایت اور سہولت سے کیوں محروم رہیں گے؟ ان پاکیزہ خصلت اور نیک نہاد لوگوں سے، جن کے بارے میں سیرت و تاریخ کی کتابوں میں..... اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور شرک کا ایک واقعہ بھی روایت نہیں کیا گیا، وہ کونسی خطا سرزد ہوئی ہے جس کی بنا پر یہ بزرگ اس رعایت اور اس استحقاق سے محروم رہیں گے اور ان کے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا

ہونا اور ان کا دنیا کی مقدس ترین ہستی کی تربیت اور پرورش کرنا بھی ان کے کام نہ آئیگا؟
الغرض علامہ ابن کثیرؒ کی جلالت قدر اور بلند مرتبہ کے باوجود، یہ کہنا پڑتا ہے، کہ اس جگہ انہوں نے نہ تو انصاف ہی سے کام لیا ہے اور نہ ہی خاندان نبوت کے مقام و مرتبے کو پیش نظر رکھا ہے۔

تاریخ اسلام میں تیسری شخصیت جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے عدم نجات کا عقیدہ رکھنے کی بنا پر معروف ہے، نامور بزرگ ملا علی قاریؒ کی ہے، جنہوں نے بڑی شد و مد کے ساتھ اپنا یہ نظریہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین (العیاذ باللہ) مبتلائے عذاب ہوں گے۔ (۳۳) ملا علی قاریؒ نے اس بارے میں کوئی نئی دلیل نہیں دی، بلکہ اپنے سے پیشتر علماء کے خیالات ہی کو نقل کر دیا ہے۔

۳۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور بزرگوں کے نجات یافتہ ہونے کا مسلک:

اس سلسلے میں، تیسرا اور اہم ترین مسلک، جو مذکورہ بالا مسلک (دوم) کے رد عمل کے طور پر پیدا ہوا، یہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام بزرگ اور آپ کے والدین نجات یافتہ ہیں۔

اس مسلک کا سب سے پہلے کھل کر اظہار تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسوی میں اس وقت ہوا جب بعض لوگوں نے یونانی علوم کے تحت نئے مباحث و مسائل کو موضوع بحث بنایا..... جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سعیدین کی عدم نجات کا موقف بھی شامل تھا۔ رد عمل کے طور پر بہت سے علماء نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ”والدین کے“ ”نجات یافتہ“ ہونے کے موقف کی ترجمانی کی، یہی جلیل القدر ائمہ اہل سنت کا مسلک ہے، جیسا کہ علامہ الآلوسی، صاحب روح المعانی نے اس کی تصریح کی ہے (۳۴)۔

سب سے پہلی شخصیت جس نے یہ آواز بلند کی، وہ حافظ عبد الرحمن لکھنوی (م ۵۰۸ھ / ۱۱۱۳ء) شارح ”السیرۃ النبویہ“..... لابن ہشام..... کی ہے، جنہوں نے اپنی کتاب الروض الانف میں، امام ابو بکر السیہقی کے مذکورہ بالا قول کو نقل کرنے کے بعد، حسب ذیل عبارت لکھی ہے:

ولیس لنا ان نقول نحن هذا فی ابویہ اور ہمارے لیے یہ مناسب نہیں ہے، کہ
صلی اللہ علیہ وسلم لقولہ علیہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
السلام لا تؤذوا الاحیاء بسبب والدین کے بارے میں یہ بات کہیں۔ اس
الاموات واللہ عزوجل یقول انّ لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
الذین یؤذون اللہ و رسولہ، لعنہم فرمایا ہے کہ زندوں کو مردوں کی بنا پر
اللہ فی الدنیا والاخرۃ (۳۵) اذیت نہ دو اور اللہ رب العزت فرماتے

ہیں ”بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے“۔

اس کے بعد علامہ لکھنویؒ نے حدیث احیاء کا ذکر کیا ہے، جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور بزرگوں کی نجات یافتہ ہونے کا اثبات ہوتا ہے۔

علماء نے اس موقف کو ثابت کرنے کے لیے کئی عنوانات یا مسالک اختیار کیے گئے ہیں، انہی مسالک کو علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے اپنی کتاب مسالک الحنفیاء فی والدی المصطفیٰ میں جمع کیا ہے، السیوطیؒ کے مطابق اس بارے میں علماء نے حسب ذیل مسالک اپنائے ہیں:

(الف) زمانہ فترت میں ہوتا:

بہت سے علمائے کرام نے اس کا سبب ان بزرگوں کے زمانہ فترت (دور انتظار نبوت) میں ہونے کو قرار دیا ہے اس لیے کہ ان بزرگوں کا بعثت نبوی سے پہلے انتقال ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اصول یہ ہے کہ وہ اس وقت تک کسی کو جلائے عذاب نہیں کرتا، جب تک اپنا رسول نہ بھیج دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ (کسی کو) اس وقت تک عذاب رسولاً (۳۶)

نہیں دیتے، جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔

یہ دلیل سب سے پہلے شیخ الاسلام علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۹۵۲ھ - ۱۴۰۳ھ) نے پیش کی، چنانچہ ایک مرتبہ ان سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق سوال کیا گیا۔ اس پر ان کے اور سائل کے درمیان گرم گرم بحث ہوئی۔ سائل نے پوچھا کیا ان کا اسلام لانا ثابت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ان کا انتقال زمانہ فترت میں ہو گیا تھا اور اس وقت انتقال کرنے والوں کے لیے کوئی سزا ہی نہیں ہے (۳۷)

اسی طرح نامور محقق علامہ سبط ابن الجوزیؒ (۵۷۲ھ - ۶۵۳ھ) نے اپنی کتاب مراۃ الزمان میں علماء کی ایک جماعت کی طرف اسی قول کو منسوب کیا ہے۔

انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے کے متعلق حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ”ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رسولاً اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تک اسلام کی دعوت ہی نہیں پہنچی، (پھر) ان دونوں کا کیا گناہ ہے؟ (۳۸)

اسی طرح علامہ ای (ابو عبد اللہ محمد بن خلف الوشتانی المالکی، صاحب اکمال المعلم لتواند کتاب مسلم، ۸۲۷ھ) نے اپنی کتاب شرح صحیح مسلم میں بھی اسی

رائے کا اظہار کیا ہے۔

اسی طرح نامور محدث اور محقق حافظ ابن حجر العسقلانی (۷۷۳ھ - ۸۵۲ھ) نے بھی لکھا ہے:

والظن بآبائہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یعنی الذین ماتوا قبل البعثۃ انہم خاندانی بزرگوں یعنی ان لوگوں کے بطیعون عند الامتحان اکراماً لہم بارے میں جو بعثت سے قبل انتقال کر گئے لکن یہ ہے ان کا امتحان لیا جائے گا، تو وہ لتقر بہم عینہ (۳۹)

اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کریں گے۔ یہ سب کچھ ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ہوگا اور تاکہ ان کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

علامہ السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے الاصابہ میں دیکھا کہ حافظ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

”کئی طریقوں سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ قیامت کے دن اٹھیا جانے والے بوڑھے ایسے لوگ جو زمانہ فترت میں انتقال کر گئے ہیں اور جو پیدا انٹی طور پر بہرے اندھے اور گونگے ہوں یا جو شخص دیوانہ پیدا ہوا یا اس پر بالغ ہونے سے پہلے دیوانگی طاری ہو گئی ہو اسی طرح کے دوسرے لوگوں کا اتمام حجت کے لیے امتحان لیا جائے گا (اور اگر وہ یہ کہہ دیں گے کہ) اگر میں سمجھ دار ہوتا، یا مجھے فصاحت کی جاتی تو میں بالضرور ایمان لے آتا تو ان کے سامنے جہنم لائی جائے گی اور انہیں کہا جائے گا اس (جہنم) میں داخل ہو جاؤ۔ پھر جو کوئی اس میں داخل ہو گیا تو وہ اس کے لیے ٹھنڈی اور

سلامتی والی بن جائے گی اور جو کوئی اس میں (خوشی سے) داخل نہ ہوگا اسے جبراً داخل کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے تمام طرق کو ایک جزو (رسالے) میں جمع کر دیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

”اور ہم امید رکھتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب اور ان کے خاندان کے دوسرے لوگ اس میں (امتحان کے وقت) خوشی سے داخل ہونے والوں میں شامل ہوں گے، سوائے ابوطالب کے، اس لیے کہ انہوں نے بعثت نبوی کا زمانہ پایا ہے، مگر ایمان قبول نہیں کیا اور (صحیح) حدیث سے ثابت ہے کہ وہ ہلکی آگ (مضہاج) میں ہوں گے۔“ (۳۰)

علامہ السیوطیؒ نے اس مسلک کے حق میں چھ قرآنی آیات اور سات احادیث نبویہ سے بھی استدلال کیا ہے، جن سے زمانہ فترت کے لوگوں کے بارے میں صراحت ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا اور وہ امتحان کے بغیر جہنم کے سزاوار ہوں گے اور نہ جنت کے، جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی قوم پر اتمام حجت نہ فرمائیں گے۔ اس وقت تک اسے عذاب نہ دیں گے۔ (۳۱)

علامہ السیوطیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا یہ مسلک صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جن تک دین کی دعوت نہیں پہنچی اور جو لوگ ”دعوت دین“ ملنے کے باوجود اس سے کنارہ کش رہے، ان کا حکم اس سے مختلف ہوگا۔ (۳۲)

(ب) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ملت حنیفیہ کا حامل ہونا:

جو لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ”والدین“ کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ نجات یافتہ ہیں، ان میں سے کچھ علماء کا یہ خیال ہے کہ ایسا اس لیے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ملت حنیفیہ کے حامل اور اس پر عامل تھے، جیسے کہ

تب تاریخ میں زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل کے بارے میں آتا ہے، مفسرین میں سے یہ مسلک علامہ فخرالدین الرازیؒ نے اختیار فرمایا، چنانچہ وہ اپنی کتاب اسرار التریل میں لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ تھا، بلکہ ان کا چچا تھا۔ پھر اس پر انہوں نے متعدد دلائل دیے ہیں جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: الَّذِي يَرَاكَ جُحَيْنَ تَقُومُ ۝ وَتَقْلِبُكَ فِي السَّجْدَيْنِ (وہ ذات جو تجھے اس وقت دیکھتی ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ گزاروں میں) (۳۳) بعد ازاں بعض لوگوں کے حوالے سے لکھا ہے، کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ایک سجدہ گزار سے دوسرے سجدہ گزاروں میں منتقل ہوتا رہا۔ (۳۴) لہذا یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد مسلمان تھے، جس سے یہ بات قطعی ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کافر نہ تھے وہ تو ان کا چچا تھا، ماسوا اس کے کہ آیت مبارکہ وَتَقْلِبُكَ فِي السَّجْدَيْنِ کو دوسری تاویلات بر محمول کیا جائے۔ اس کے بعد امام رازیؒ لکھتے ہیں:

اور اس بات کی دلیل کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد بت پرست نہ تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے، کہ: آپؐ نے فرمایا:

ولم ازل انقل من اصلاص الطاهرين اور میں پاکباز مردوں سے، پاک دامن الٰہی ارحام الطاهرات عورتوں کی رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (بیشک مشرک پلید ہیں) اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا۔ (۳۵)

اس مسلک کی تائید میں علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے دو مقدمات قائم

فرمائے ہیں:

اول: یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک بزرگ، حضرت آدمؑ سے لیکر جناب عبد اللہ تک اپنے زمانے میں سب سے بہتر اور سب سے افضل شخص تھا۔

دوم: یہ کہ کئی روایات اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک کوئی زمانہ بھی ایسے لوگوں کے وجود سے خالی نہیں رہا جو فطرتِ اصلہ پر قائم نہ رہے ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے، ایک سمجھتے اور اپنے پروردگار کے سامنے نماز ادا کرتے تھے۔ انہی لوگوں کی وجہ سے یہ زمین تباہی سے محفوظ رہی اور اگر وہ لوگ نہ ہوتے، تو یہ زمین اور جو لوگ اس کی پشت پر موجود ہیں، کبھی کے فنا ہو چکے ہوتے۔

ان دونوں مقدمات کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں سے کوئی بھی شخص مشرک نہ تھا۔..... (۴۶)

بعد ازاں علامہ السیوطیؒ نے اپنے ان دونوں مقدمات کے حق میں بہت سی روایات سے استدلال کیا ہے، جن میں سے بیشتر احادیث اور آثار کا تذکرہ آپ ”مقن کتاب“ میں (آئندہ) مطالعہ فرمائیں گے۔ اسی طرح دوسرے مقدمہ کے ضمن میں بھی علامہ السیوطیؒ نے مختلف روایات اور آثار کا تذکرہ کیا ہے، مثال کے طور پر ابتدا میں حضرت علیؑ کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ انہوں نے فرمایا:

لم يزل على وجه الدّهر في الارض
سبعة مسلمون فصاعدا فلولاً ذالك
لهلكت الارض ومن عليها..... رواه
عبدالرزاق في المصنف - (۴۷)

روے زمین پر ہر زمانے میں سات یا اس
سے زیادہ لوگ ہمیشہ مسلمان رہے۔ اگر
ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اس کے رہنے
والے تمام لوگ ہلاک کر دیئے جاتے۔

اس عنوان پر علامہ السیوطی کی نقل کردہ اکثر روایات کا تذکرہ بھی قاضی

صاحبؒ نے اپنے رسالے میں کیا ہے۔

(ج) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق استغفار کی اجازت نہ ملنے والی روایات کا تجزیہ:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ”نامی“ (نجات یافتہ) ہونے کے حوالے سے، اب تک جو بحث ہوئی، وہ (ثبت) پہلو سے تھی، جبکہ اس کا دوسرا پہلو بھی اہمیت کے لحاظ سے کم نہیں ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس موقف کی مخالفت میں بہت سی احادیث اور روایات نقل کی جاتی ہیں، ان روایات پر علامہ جلال الدین السیوطیؒ سے لیکر قاضی پانی پتیؒ تک ہر دور کے علماء اور محدثین نے بحث کی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ جلال الدین السيوطي کے زمانے میں ان روایات کے حوالے سے، ان کے فکری مخالفین کا شور شرابا بہت چڑھ گیا تھا، اسی لیے علامہ السيوطي لکھتے ہیں:

المحادلون فی هذا الزمان کثیر خصوصاً فی هذه المسئلة واکثرهم لیس لهم معرفة بطرق الاستدلال^(۴۸) ہاے استدلال کا بھی علم نہیں ہے، لہذا ان کے ساتھ بحث میں الجھٹائی فضول ہے۔

تاہم اہل علم کے سامنے اتمام حجت کے لیے علامہ السوہی نے ان کے ساتھ نصب میدان جدلی (مناظرانہ میدان) کے عنوان سے حسب ذیل طریقے پر استدلال کیا ہے:

”ہمارے مخالفین میں سے زیادہ تر لوگ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں صحیح حدیث

سے تمہارے اس دعوے کے برخلاف ثابت ہوتا ہے۔

اگر تو یہ کہنے والا ہمارا ہم مسلک، یعنی شافعی المسلک ہو، تو میں اس سے کہوں گا کہ صحیح مسلم میں، صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں پڑھی اور تم بسم اللہ پڑھے بغیر نماز کو درست نہیں مانتے اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ تم اس کی اقتداء کرو، لہذا تم اس سے اختلاف نہ کرو، اگر وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، مگر ”جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے، تو تم اسی کی طرح سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہو (اقتدا نہیں کرتے) اور جب وہ کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو تم اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہو، بیٹھ کر نہیں پڑھتے (اس طرح امام کی مخالفت کرتے ہو)..... اسی طرح صحیحین کی حدیث تیمم میں ہے ”تجھے کافی ہے کہ تو اپنے ہاتھ سے اس طرح کرے“ پھر آپؐ نے اپنا ہاتھ ایک مرتبہ زمین پر مارا اور بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کا اور دونوں کی پشت اور چہرے کا مسح کیا، جب کہ تم تیمم میں ایک مرتبہ ہاتھ مارنے کو کافی نہیں سمجھتے اور نہ ہی ہاتھوں کے گٹھوں تک مسح کو کافی خیال کرتے ہو، سو تم نے ان احادیث کی، جو صحیحین میں ہیں یا دونوں میں سے ایک میں ہیں، کیوں مخالفت کی؟ پھر اگر اس کے پاس ذرہ برابر بھی علم ہوگا، تو وہ کہہ اٹھے گا کہ ”ہمارے پاس ایسی دلیلیں ہیں“ جو ان کے خلاف اور ان پر مقدم ہیں (لہذا ہم ان حدیثوں پر عمل نہیں کرتے) تو میں اس کے جواب میں کہوں گا بجا، زیر بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے ”اس پر اسی طریقے سے حجت قائم کی جاتی ہے“ اس لیے کہ

یہ دلیل اسے اور اس جیسی اور دلیلوں کو لازم کرنے والی ہے۔

اور اگر ہمارے ساتھ مباحثہ کرنے والا مالکی المذہب ہو، تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے: صحیحین میں ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: البیعان بالخیار مالم یتفرقا (بیع کرنے والے، جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں، انہیں بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے) اور تم لوگ خیار مجلس کو درست نہیں سمجھتے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے پورے سر کا مسح نہیں کیا مگر تم لوگ وضو میں پورے سر کا مسح لازم قرار دیتے ہو، تو تم نے صحیح مسلم میں وارد شدہ صحیح حدیث کی مخالفت کیوں کی؟ اس پر وہ کہے گا کہ اس کے بالمقابل ایسی دلیلیں ہیں جو ان کی معارض اور ان پر مقدم ہیں، تو ہم بھی یہاں کہتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

اور اگر ہمارا مخالف حنفی المسلک ہو، تو ہم اس سے کہیں گے کہ صحیح حدیث میں ہے، کہ ”جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے، تو تم اسے سات مرتبہ دھوؤ“ اور تم لوگ کتے کی نجاست میں سات بار دھونے کو ضروری نہیں سمجھتے اور صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس شخص کی نماز درست نہیں ہوتی، جو نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے“ مگر تم لوگ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کو صحیح قرار دیتے ہو۔ اسی طرح صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”اور پھر تو اپنا سر اٹھا، یہاں تک کہ تو بالکل سیدھا ہو جائے“ مگر تم لوگ اعتدال میں طمانیت کے بغیر نماز کو صحیح قرار دیتے ہو اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ”جب پانی دو قلوں (بڑے مشکوں) تک پہنچ جائے تو وہ گندگی نہیں اٹھاتا“، مگر تم لوگ

قتلین کا اعتبار نہیں کرتے اور صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدبر غلام کو فروخت فرمایا: ”مگر تم لوگ مدبر کی بیع صحیح نہیں سمجھتے۔ ان باتوں کے جواب میں وہ کہے گا کہ ہمارے پاس ایسی دلیلیں ہیں جو ان کی معارض ہیں، جن کی بنا پر ہم نے انہیں ان پر مقدم کر دیا تو ہم یہاں بھی یہی کہیں گے۔

اور اگر ہمارا مخالف حنبلی المسک ہو، تو ہم اس سے کہیں گے کہ صحیحین میں ہے، کہ آپؐ نے فرمایا: ”جس نے شک والے دن روزہ رکھا، اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی“ اور صحیحین میں ہے کہ ”رمضان المبارک سے پہلے ایک یا دو دن کے روزے (مت) رکھو“ مگر تم لوگ شک والے میں روزہ رکھنے کے قائل ہو تو تم نے صحیحین کی حدیث کی مخالفت کیوں کی؟ تو وہ کہے گا کہ اس کے مقابلے میں ہمارے پاس ایسی دلیلیں ہیں جو ان کی معارض ہیں، لہذا ہم نے انہیں ان پر مقدم کر دیا، تو ہم بھی یہی کہیں گے کہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔

اور اگر بحث کرنے والا شخص ایسا ہو، جو محدث تو ہو، مگر فقیہ نہ ہو، تو ہم کہیں گے کہ ”قدماء کہہ گئے ہیں، کہ فقہ کے بغیر حدیث بیان کرنے والا ایسے ہے جیسے کوئی عطار جو طبیب نہ ہو، کہ اس کے پاس تمام ادویات تو موجود ہیں مگر اسے یہ علم نہیں ہے کہ اس کی کونسی دوا کس مرض کے لیے بہتر ہے اور فقیہ، جو حدیث نہ جانتا ہو ایسے ہے کہ جیسے کوئی طبیب جو عطار نہ ہو کہ اسے یہ علم تو ہو کہ کونسی دوا کس مرض میں فائدہ دیتی ہے، مگر اس کے پاس ادویہ ہی موجود نہ ہوں“، (۴۹)۔

اس طرح علامہ السیوطیؒ نے ہر موقف و مسلک کے حامل لوگوں پر اتمام حجت

کیا ہے۔

(د) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کا مسلک:

اس سلسلے میں تیسرا مسلک یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے (اور پھر اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا)۔

بقول علامہ السیوطیؒ یہ مسلک بہت سے علماء نے اختیار فرمایا، جن میں ابن شاپین، حافظ ابو بکر الخطیب البغدادی، علامہ عبد الرحمن السہلی، القرطبی، محبت الطبری، اور علامہ ناصر الدین بن المنیر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس بارے میں محدثین اور سیرت نگاروں نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے (اور جسے قاضی صاحبؒ نے بھی اپنے رسالے میں درج فرمایا ہے) اسے خطیب البغدادی (السابق واللاحق) الدارقطنی اور ابن عساکر نے ”غرائب مالک“ میں، ایک ضعیف سند کے ساتھ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے۔

اس ”احیائے والدین نبوی“ والی حدیث کو علامہ السیوطیؒ نے، محدثین کے اتفاق کے ساتھ ضعیف، بلکہ موضوع قرار دیا ہے، مگر انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے خیال میں یہ روایت موضوع نہیں، بلکہ ضعیف ہے اور یہ کہ انہوں نے اس حدیث کی توضیح و تشریح کے لیے ایک مستقل جزو (رسالہ) لکھا ہے (۵۰)۔

نامور محدث اور مفسر علامہ القرطبیؒ نے لکھا ہے کہ حدیث ”احیاء، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت پر مشتمل حدیث کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ آپؐ کے والدین کا احیاء کا واقعہ بعد میں پیش آیا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث کی مطابق، احیاء کا واقعہ حیات

الوداع کا ہے، اسی لیے ابن شاہین نے اسے سابقہ احادیث و روایات کے لیے ناخ قرار دیا ہے (۵۱)۔

علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے احیاء کا واقعہ شرعاً اور مثلاً ناممکن نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن حکیم میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں (۵۲)۔

تاہم اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے کے بیان پر مشتمل جتنی بھی روایات ہیں، جن کا تذکرہ علامہ السیوطیؒ کی اتباع میں اس کتابچے کے مؤلف، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بھی کیا ہے، وہ تمام کی تمام ضعیف اور انتہائی کمزور ہیں، قریباً تمام کی اسناد میں کوئی نہ کوئی کمزوری اور خرابی موجود ہے، اسی لیے ان روایات کو کسی بھی مستند مجموعہ حدیث میں روایت نہیں کیا گیا، البتہ ان عنوان پر لکھے والے علماء نے ان روایات سے تائید و توثیق کا کام ضرور لیا ہے، لیکن ہمارے خیال میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کا مسئلہ اس قسم کی کمزور یا ضعیف روایات کا محتاج نہیں ہے، اس کے برعکس یہ مسئلہ قرآن و سنہ کی بعض قطعی نصوص سے واضح ہو جاتا ہے۔

(ھ) علامہ الآلوسی کا موقف:

سب سے آخر میں نامور محقق اور خاتم المفسرین، علامہ الآلوسیؒ کا موقف پیش کرنا مناسب ہو گا کہ انہوں نے ایسے شخص کے متعلق جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ”والدین“ کے بارے میں کفر کا عقیدہ رکھتا ہے، کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ علامہ الآلوسی، مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

واستدل بالآیة علی ایمان ابوہ صلی اور اس آیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ اللہ علیہ وسلم کما ذهب الیہ کثیر وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال

من اهل السنہ وانا اخشی الکفر علی من یقول فیہما رضی اللہ عنہما
علی رغم انف علی القاری واضرابہ ملا علی قاری اور ان جیسے لوگوں کے
بضد ذلک الا انی لا اقول لحجیۃ برخلاف یہ کہتا ہوں کہ مجھے اس شخص کے
الایۃ علی هذا المطلب (۵۳) متعلق کفر کا خدشہ ہے جو آنحضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کوئی ناپسندیدہ بات (کفر وغیرہ کی) کہے۔
البتہ میں اس آیت کی، اس مضمون پر حجیت کا دعویٰ بھی نہیں کرتا۔

- تجزیہ:

جہاں تک زیر بحث مسئلے میں، مذکورہ مسالک کے تجزیے کا تعلق ہے، تو یہ کہنا بجا ہو گا کہ اس بارے میں درست ترین مسلک یہ ہے کہ اول تو سکوت (خاموشی) اختیار کی جائے، اس لیے کہ اس بارے میں جمہور کا یہی مسلک ہے اور پھر اس لیے بھی کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے، جس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے اور ایسے مسائل میں قرآن حکیم کا بھی حکم ہے کہ خاموشی ہی اختیار کی جائے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

هَآنَتُمْ هَآؤَآءَ حَآجَحْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِهِ دیکھو! ایسی بات میں تم نے جھگڑا کیا ہی
عِلْمٌ فَلِمَ تَحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ تھ، جس کا تمہیں کچھ علم بھی تھا، مگر تم
بہ عِلْمٌ (۵۴) ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو، جس کا تم کو کچھ علم نہیں۔

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب یہودیوں نے حضرت ابراہیم کو

یہودی اور عیسائیوں نے عیسائی قرار دیا، زیر بحث صورت بھی ایسی ہی ہے، اس لیے یہاں بھی خاموشی ہی بہتر اور مناسب ہے۔

اور اگر کبھی زبان کھولنا ہی پڑے تو پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے صاحب ایمان اور نجات یافتہ ہونے کا نظریہ اختیار کیا جائے کہ اسی میں بہتری اور بھلائی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ بزرگ زمانہ فترت میں گزرے ہیں اور ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن حکیم میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا، اس کے بعد کیا صورت ہوگی، اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

۵۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب ”تقدیس والدین مصطفیٰ ﷺ“

(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا دینی مقام و رتبہ) پر تبصرہ

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) اپنے دور کے نمایاں محدث و مفسر ہی نہیں، بلکہ اپنے زمانے میں تحریک نشاۃ ثانیہ کے بہت بڑے رہنما اور قائد بھی تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی یہ تحریک حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شروع کی تھی اور اسے امام العصر شاہ ولی اللہ محدثؒ اور شیخ طریقت مرزا مظہر جان جاناں محدثؒ نے اپنے شاگردوں، اپنی تصانیف اور اپنے مکتوبات کے ذریعے نیا روپ اور نیا جذبہ عطا کیا تھا، قاضی صاحبؒ اسی تحریک میں پوری طرح ان بزرگوں کے ساتھی، ان کے ”ہم نوا“ اور ہمسفر تھے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی کتابوں کے موضوعات زیادہ تر اسی تحریک سے انتخاب فرمائے اور جیسا کہ ابتداء ذکر ہوا، زیر نظر کتابچہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

موضوع کی اہمیت و عظمت کی بنا پر علمائے سلف میں سے متعدد بزرگوں نے اس عنوان پر مستقل کتابیں اور رسائل تصنیف و تالیف فرمائے، جن میں سے امام الیوٹی کے رسالے پر گذشتہ اوراق میں بحث کی جا چکی ہے۔

بہر حال کچھ تو اس تحریک کا اثر تھا اور کچھ خاندان نبوی ہے، قاضی صاحبؒ کا قلبی لگاؤ، بلکہ جھکاؤ کا نتیجہ تھا کہ قاضی صاحبؒ نے خاندان نبوت سے متعلق کئی رسالے تصنیف فرمائے (۵۵) جن میں زیر بحث رسالہ بھی شامل ہے (۵۶)

قاضی صاحب کے یہ رسالے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شائل سے لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی بزرگوں اور آپ کے خاندان کے پاکیزہ تذکرے سے معطر ہیں، جس سے دراصل وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں اور آپ کی اولاد، آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے خاندان کے لوگوں سے محبت نہ کی جائے اور ان کی انتہائی درجے میں تعظیم و تکریم نہ کی جائے، اس وقت بندہ کے ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

(۲)۔ مضامین پر ایک نظر:

قاضی صاحبؒ کے اس کتابچے کی قدر و اہمیت کا اندازہ تو اس کے مطالعے سے ہی کیا جاسکتا ہے، البتہ یہاں اگر اس کے مضامین پر ایک نظر ڈال لی جائے تو مناسب ہوگا۔ یہ کتابچہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس عنوان پر علامہ جلال الدین الیوٹی (م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) کے رسائل، خصوصاً مسالک الحفقاء کی تلخیص پر مشتمل ہے، جسے فاضل مؤلف نے ضروری رد و بدل کے ساتھ پیش کیا ہے، اس کتابچے کو ہم آسانی کے ساتھ چھ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف)۔ خطبہ مؤلف:

قاضی صاحبؒ نے اپنے اس کتابچے کے لیے مختصر، مگر جامع خطبہ تحریر کیا ہے، جس میں قاضی صاحبؒ نے حمد و صلوة مسنونہ کے بعد، اپنے اس رسالے کی تصنیفی غرض و غایت تحریر کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

وبعد فهذه رسالة في اثبات ايمان
آبائه صلى الله عليه وسلم (۵۷)
آباء و اجداد کے ایمان کے اثبات پر
مشتمل ہے۔

(ب)۔ آخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی و خاندانی فضائل:

یہ حصہ تقریباً دو صفحات پر مشتمل ہے (۵۸) اور اس کی حیثیت اس کتاب کے
لیے مقدمے اور تمہید کی سی ہے۔ اس حصے میں قاضی صاحبؒ نے صحاح ستہ سے، تقریباً
چھ احادیث نقل کی ہیں، جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں اور آپ کے
خاندان کے فضائل و مناقب واضح ہوتے ہیں۔ ان روایات کے ذریعے فاضل مؤلفؒ
بتانا چاہتے ہیں کہ ان روایات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بزرگوں اور اپنے
خاندان کے لیے جو اصطفاۃ، خیر، الطاہر اور افضل وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں
ان کا اطلاق کسی غیر مسلم پر نہیں ہو سکتا، یہی استدلال علامہ جلال الدین السيوطیؒ نے اپنی
کتاب مسالک الحفاء میں پیش کیا ہے، البتہ دونوں کے الفاظ مختلف ہیں، مثلاً السيوطیؒ نے
لکھا ہے:

ومن المعلوم ان الخيرية اور یہ بات معلوم و مسلم ہے، کہ لفظ خير
والاصطفاء والاختيار من الله (اچھا) اصطفاء (انتخاب) اختيار
والافضيلة عنده لا تكون مع (پسندیدگی) اور الله تعالیٰ کے ہاں افضل
الشرك (۵۹)

جبکہ قاضی صاحبؒ نے یہی مفہوم حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

ولاشك ان اطلاق الافضل والخير اور بے شک افضل، خير، اصطفاء اور طاهر
والاصطفاء والطاهر لا يجوز على (کفار) کا اطلاق غیر مسلموں کے لیے جائز نہیں
ہے۔ (۶۰)

(ج) کیا آخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد مومن تھے؟

اس کتابچے کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہم ہے اس حصے میں قاضی صاحبؒ نے
مختلف روایات کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد
یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جناب عبدالمطلب تک مومن تھے (جناب عبد اللہ
اور حضرت آمنہ کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے)۔ یہ حصہ تقریباً (عربی متن) کے چار صفحات
پر مشتمل ہے (۶۱) اس حصے میں قاضی صاحبؒ نے زیادہ تر ”اخباری“ نوعیت کی
روایتوں سے استدلال کیا ہے..... ان روایات کا علمی پایہ اگرچہ کمزور ہے، لیکن، ان کی
اساس جن روایات پر ہے، (یعنی اس خاندان کی فضیلت اور بزرگی پر مشتمل روایات پر)
ان کا درجہ یقیناً بہت بلند ہے۔ یہ حصہ بھی علامہ السيوطیؒ کے مذکورہ رسالے کے ایک
حصے کی تلخیص ہے (۶۲)۔

اس مقام پر ایک اصولی بحث بھی ضمناً آگئی ہے وہ یہ کہ کیا حضرت ابراہیمؑ کے
والد آزر تھے یا تارخ؟ چونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کو مشرک بتایا گیا
ہے اور ان کا نام آزر مذکور ہے، اس لیے یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ ان کے والد آزر تھے یا
تارخ۔ قاضی صاحبؒ نے اسی موقف کی تائید کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
والد تارخ تھے اور آزر ان کے چچا کا نام تھا اور یہ کہ پیغمبر کا والد کافر نہیں ہو سکتا۔

(د) آخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کا اثبات

کتاب کا سب سے جاندار اور اہم ترین حصہ وہ ہے، جس میں قاضی صاحبؒ نے
آخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، جناب عبد اللہ اور حضرت آمنہ کے ایمان کا
اثبات کیا ہے۔ اس پر انہوں نے جو مستقل عنوان کے تحت بحث کی ہے، اس کی وجہ
انہوں نے یہ لکھی ہے کہ:

بقی الکلام فی ابوی النبی صلی اللہ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 علیہ وسلم عبد اللہ بن عبدالمطلب والدین جناب عبد اللہ اور آمنہ بنت
 و آمنہ بنت وہب ولولا من وہب کے بارے میں بحث رہ گئی اور اگر
 الاحادیث ما يدل علی خلاف ما ہمارے دعویٰ کے خلاف دلالت کرنے
 ادعینا ما احتجنا الی فی هذه المقال والی احادیث موجود نہ ہوتیں۔ تو ہم اس
 ولنقصد بالجواب عنها والتاویل ثم مقالے میں اس بارے میں تفصیلی بحث نہ
 لنذكر ما يفيد المطلوب (۶۳) کرتے، اس لیے ہم پہلے ان روایات کا
 جواب اور ان کی تاویل بیان کریں گے
 اور پھر وہ روایات بیان کریں گے جو
 ہمارے دعوے کے لیے فائدہ مند ہیں۔

اس حصے میں قاضی صاحبؒ نے اولاً تو ان روایات اور احادیث کا تذکرہ فرمایا
 ہے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ”نجات یافتہ“
 نہ تھے اور ان کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کرنے کی اجازت نہیں ملی
 تھی۔ ان میں سے ایک روایت صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ بعض کتب حدیث
 میں یہ روایت بھی مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری صحابیؓ سے
 فرمایا تھا کہ ”تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ ہے“ جس سے بظاہر اسی موقف کی تائید
 ہوتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ قدسیہ ”غیر نجات یافتہ“ تھیں۔ بعد
 ازاں فاضل مولفؒ نے مختلف تاریخی اور تحقیقی پہلوؤں سے واضح کیا ہے کہ مذکورہ
 روایات یا تو قابل تاویل ہیں، یا پھر ان کا جو حصہ متفق علیہ ہے، اس پر عمل کیا جائے گا، جو
 صرف یہ ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ قدسیہ کی قبر پر تشریف لے گئے
 اور وہاں جا کر آپؐ روئے، استغفار کی اجازت مانگی، مگر اس وقت اجازت نہ ملی (اور بعد

میں اجازت مل گئی)۔“

اس بحث کے آخر میں، قاضی صاحبؒ نے ان روایات کا بھی تذکرہ کیا ہے،
 جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ کیے جانے اور ان کے آپؐ پر ایمان لانے کا
 تذکرہ ہے (۶۴)۔ یہ روایات، جیسا کہ ہم نے، متعلقہ مقام پر اپنے حواشی میں واضح کیا
 ہے، باتفاق ائمہ کمزور بلکہ موضوع ہیں۔
 ۵۔ فوائد:

کتاب کا آخری حصہ چند علمی نکات اور فوائد پر مشتمل ہے، ان فوائد میں، جن
 کی تعداد آٹھ ہے، بہت سے علمی مباحث زیر بحث آئے ہیں۔ مثال کے طور پر فائدہ اول
 میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق ذخیرہ حدیث میں آنے والی،
 مختلف روایات کے مابین تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے، جبکہ فائدہ دوم میں نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسی صفات والدین کی حیات طیبہ پر مختصر تبصرہ ہے۔ فائدہ سوم
 میں قرآن حکیم، سورۃ الشعراء (آیت ۲۱۹) کی تفسیر کے بارے میں بعض اقوال کا تذکرہ
 ہے، جبکہ فائدہ چہارم میں امام العسقلی کے ان اشعار کا تذکرہ ہے جو انہوں نے حضرت
 حلیمہ کے تذکرہ میں نقل کیے ہیں، فائدہ پنجم میں سورۃ الاحزاب (آیت ۵۸) کی روشنی
 میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق نازیبا گفتگو سے روکا گیا ہے۔ فائدہ
 ششم میں الحب الطبری کی کتاب ذخائر العقبی کے حوالے سے سیدہ بنت ابی لہب کے
 ایک واقعے کا ذکر ہے۔ فائدہ ہفتم اور فائدہ ہشتم میں ابو لہب نے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ
 وسلم کی ولادت کی خبر ملنے پر، جو اپنی باندی ثویبہ کو جو آزاد کیا تھا، اس کی بنا پر، اس پر
 تخفیف عذاب کا تذکرہ ہے (۶۵)۔

خاتمے میں قاضی صاحبؒ نے اس کی تکمیل کی تاریخ (ربیع الاول
 ۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۱ء) کا تذکرہ کیا ہے۔

الغرض اس مختصر سے کتابچے میں قاضی صاحب نے اپنے موضوع کا ہر پہلو سے مسبوط انداز میں احاطہ اور تجزیہ کیا ہے۔

(د)۔ عمومی تبصرہ:

پھر جب ہم اس پر، عمومی جہت سے نظر ڈالتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس بات کے یہ کتابچہ علامہ جلال الدین السیوطی کے رسالے مسالک الحفء کی تلخیص ہے، جیسا کہ قاضی صاحب نے خود تفسیر مظہری میں اور اس رسالے کے خاتمے میں، اس کی صراحت کی ہے، لیکن بایں ہمہ قاضی صاحب کی اس کاوش کو تلخیص کے بجائے، اگر انتخاب کا نام دیا جائے، تو زیادہ بہتر ہوگا، اس لیے کہ تلخیص میں اولاً تو کتاب کے ہر مضمون کی ترتیب ملحوظ رہتی ہے، جبکہ انتخاب میں، ترتیب میں رد و بدل ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قاضی صاحب کے اس رسالے کی ترتیب، قطعی طور پر علامہ السیوطی کے رسالے کی ترتیب سے مختلف ہے۔

ثانیاً قاضی صاحب نے، اس رسالے میں اپنی طرف سے بہت سے اضافے بھی کیے ہیں، لہذا اسے انتخاب کا عنوان دینا زیادہ مناسب اور موزوں ہوگا۔

(ه) مآخذ و مصادر:

اس کتاب میں اگرچہ قاضی صاحب نے بظاہر تو متعدد کتب حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے قریباً ۶۱ روایات و احادیث نقل کی ہیں اور اس کے علامہ بیسیوں دوسرے حوالے بھی نقل کیے ہیں، لیکن جیسا کہ انہوں نے خود صراحت کی ہے، کہ ان کی اس کتاب کا اصل مآخذ علامہ السیوطی کے رسائل، خصوصاً مسالک الحفء ہے، اس لیے، ان کی کتاب میں زیر تذکرہ آنے والے باقی مصادر بھی اسی مآخذ سے لیے گئے ہیں۔

(و) زبان و بیان

قاضی صاحب کی یہ تصنیف لطیف عربی زبان میں ہے..... اس میں قاضی

صاحب نے اپنی دوسری عربی تصانیف ہی کی طرح اسلوب بیان اور اپنی زبان کو بہت سہل، سلیس، آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے۔

اس کتابچہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو عربی زبان اور اس کے اسلوب بیان پر مکمل طور پر عبور حاصل تھا۔ وہ عربی زبان و بیان کے مختلف طریقوں پر پوری طرح قدرت رکھتے تھے۔ جیسا کہ قاضی صاحب کی دوسری کتابوں، خصوصاً تفسیر مظہری میں ان کی عربی زبان اور اس کے اسالیب پر اسی طرح کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔

۶۔ ترجمہ اور اس کے خصائص:

اس مجموعے میں، اس رسالے کا عربی متن (ضروری تعلیقات اور حواشی کے ساتھ) اور اس کا اردو ترجمہ پہلی بار طبع کیا جا رہا ہے۔ اس میں بطور خاص حسب ذیل باتوں کا اہتمام آپ کو نظر آئے گا:

الف۔ اردو ترجمے کو حتی الوسع آسان، عام فہم اور سلیس بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ب۔ جہاں ضروری خیال کیا گیا، خصوصاً قرآنی آیات، اور احادیث مبارکہ، تو ان کا عربی متن بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

ج۔ تمام حوالوں کی تخریج کی گئی ہے۔

د۔ متن میں زیر تذکرہ آنے والی شخصیات کے مختصر سوانحی خاکے اور حالات بھی حواشی میں درج کیے گئے ہیں۔

ه۔ جہاں ضروری سمجھا گیا، متن میں زیر بحث آنے والی روایات پر ناقدانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے۔

و۔ آسانی کے لیے کتاب کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (جبکہ اصل نسخے میں ایسا نہیں ہے)، مختصر آیہ کہ اس مجموعے کو پوری طرح عام فہم اور استفادے

کے قابل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

جہاں تک کتاب کے عربی متن (دیکھئے ضمیمہ ۱) کا تعلق ہے، تو اسے عمدہ انداز میں کمپوزنگ کرانے کے ساتھ ساتھ، اس کے ساتھ بھی ضروری تعلیقات و حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان ضروری اضافوں اور تعلیقات کے بعد یہ کتاب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے بارے میں، اردو ادب میں، ایک گراں قدر اضافہ ثابت ہوگی۔

یہاں پر یہ امر خصوصاً قابل ذکر ہے کہ اردو زبان میں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اجداد کے حالات کے متعلق کچھ زیادہ مواد نہیں ملتا، جو ملتا ہے وہ محض روایتی نوعیت کا ہے، بجز اللہ قاضی صاحب کے اس رسالے پر کام کے دوران میں اس عنوان پر، ایک تصنیف کا مواد جمع ہو گیا ہے، جو جلد ہی ایک الگ تصنیف کی صورت میں شائع کیا جائے گا، ہمیں امید ہے کہ یہ کام اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا کام ہوگا۔

آخر میں اس بات کا تذکرہ مناسب ہوگا کہ اس کتاب میں اگر آپ کو کوئی خوبی نظر آئے، وہ پروردگار عالم کا عطیہ اور شہنشاہ مدینہ کا فیضان سمجھیں اور اگر کوئی کوتاہی یا کمی نظر آئے، تو اسے ناچیز کے قصور علمی پر محمول کیا جائے۔

وما توفیقی الا باللہ

خاکسار

(د۔ محمود الحسن عارف)

دارالعرفان ۲/۱۷ کے رحمان پارک،
گلشن راوی لاہور۔

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ عدد (۳) دہلی میں مولانا ابوالحسن زید کے کتاب خانہ میں اور عدد (۴) خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔
- ۲۔ تقدیس، ورق ۱۸
- ۳۔ ایضاً
- ۴۔ التفسیر المظہری، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء، ۱۲۱:۱
- ۵۔ ایضاً، ۳۰۷-۳۰۸
- ۶۔ الاحزاب (۲۶/۳۳)
- ۷۔ التوبہ (۲۴/۹)
- ۸۔ التوبہ (۱۱۸/۹)
- ۹۔ ایضاً
- ۱۰۔ الکہف (۶۱/۱۸)
- ۱۱۔ القلم (۵۶/۶۸)
- ۱۲۔ الاحزاب (۳۱/۳۳)
- ۱۳۔ ایضاً (۶۱/۳۳)
- ۱۴۔ ایضاً (۶۱/۳۳)
- ۱۵۔ ایضاً (۶۱/۳۳)
- ۱۶۔ الحجرات (۱/۴۹)
- ۱۷۔ ایضاً (۲/۴۹)
- ۱۸۔ ایضاً (۳-۲/۴۹)
- ۱۹۔ ایضاً (۲/۴۹)

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ الشوری (۲۳/۳۲)

۲۲۔ التفسیر المظہری ۱۸/۸

۲۳۔ ایضاً ۳۲۹/۸

۲۴۔ البخاری مکتب الایمان باب ۸

۲۵۔ البخاری مکتب الایمان باب ۸

۲۶۔ البخاری مکتب الایمان باب حلاوة الایمان

۲۷۔ الاحزاب (۵۷/۳۳)

۲۸۔ التفسیر المظہری ۳۸/۵

۲۹۔ النور (۳۶/۲۴)

۳۰۔ الروض الانف ۲-۱۸۶ طبع عبدالرحمن الوکیل، مطبوعہ دارالکتب الحدیثہ،

قاہرہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء بحوالہ البیہقی مکتب الخلیہ.

۳۱۔ القف (۶/۶۱)

۳۲۔ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ، مطبوعہ بیروت ۲۸۱/۲

۳۳۔ دیکھیے الآلوسی محمود روح المعانی (مکتبہ امدادیہ، ملتان ۲۸/۱۹) بحوالہ مرقاة

شرح مشکوٰۃ

۳۴۔ روح المعانی ۱۳۸/۲۹

۳۵۔ السبیل: الروض الانف ۱۸۶/۲-۱۸۷ آیت مبارکہ الاحزاب (۳۳)

(۵۷)

۳۶۔ بنی اسرائیل (۱۵/۱۷)

۳۷۔ السیوطی، جلال الدین: مسالک الخفاء، مطبوعہ چشتی کتب خانہ فیصل آباد

۱۹۸۶ء مع اردو ترجمہ ص

۳۸۔ ایضاً ص ۱

۳۹۔ ایضاً ص ۱

۴۰۔ ایضاً ص ۲

۴۱۔ ایضاً ص ۲-۵

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ الشعراء (۲۶/۲۰۸-۲۱۹)

۴۴۔ مسالک ص ۷

۴۵۔ ایضاً ص ۷

۴۶۔ ایضاً ص ۷

۴۷۔ ایضاً ص ۹، بحوالہ عبدالرزاق: المصنف.

۴۸۔ ایضاً ص ۲۵

۴۹۔ ایضاً ص ۳۵-۳۶

۵۰۔ ایضاً ص ۲۷-۲۸

۵۱۔ ایضاً ص ۲۷-۲۸

۵۲۔ ایضاً ص ۲۸

۵۳۔ روح المعانی ۱۳۸/۱۹

۵۴۔ آل عمران (۶۶/۳)

۵۵۔ دیکھیے مقدمہ ابتدائی اوراق

۵۶۔ رسالہ تقدیس والدی المصطفیٰ قلمی (فوٹو کاپی مملوکہ مقالہ نگار)۔ یہ فوٹو

کاپی محترم آغا ابو حفص (کوئٹہ) کے ذریعے میسر آئی اسے مولانا ابوالحسن

زید دہلوی مرحوم نے اپنے ہاتھ سے نقل کیا ہے ص ۱۸.

۵۷۔ رسالہ تقدیس ص ۱ (قلمی)

۵۸- ایضاً ص ۳۲۱

۵۹- مسالک الحقاء ص ۹

۶۰- تقدیس ص ۳ (قلمی)

۶۱- تقدیس ص ۳-۹ (قلمی)

۶۲- مسالک ص ۲۹

۶۳- تقدیس ص ۱۲ (قلمی)

۶۴- ایضاً

۶۵- ایضاً ۱۵-۱۸

☆☆☆☆☆

مولای صل وسلم دائماً ابداً

علیٰ حبیبک خیر الخلق کلهم

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ کتاب

الحمد لله الذي فضل محمداً تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے

علی المرسلین وجعلہ خاتم ہیں جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

النبین ورحمة للعالمین وطهر کو تمام رسولوں پر فضیلت دی

ببرکتہ آباءہ الاقدمین والحق بہا آپ کو خاتم النبیین اور رحمۃ

بفضله اخلافه الاخرین واتم للعالمین بنایا آپ کی برکت سے

علیه نعمته فی الاولین آپ کے قدیم آباء و اجداد کو پاک

والآخیرین صلی اللہ علیہ وسلم بنایا اور محض اپنے فضل سے آپ

وعلی آلہ واصحابہ ومن احبہ کے بعد آنے والے لوگوں کو آپ

اجمعین کے ساتھ ملا دیا اور پہلوں اور

پچھلوں میں سے آپ پر اپنا احسان

پورا کیا آپ کی آل پر آپ کے

اصحاب پر اور آپ سے محبت

رکھنے والے تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ

درود نازل فرمائے۔

شعر: ۱۰

طوبی لنا معشر الاسلام ان لنا

من العناية رکنا غیر منہدم

لما دعی اللہ داعینا لطاعته

باکرم الرسل کنا اکرم الامم (۱)

(اے گروہ اسلام! ہمیں مبارک ہو، کہ ہمیں عنایت الہی سے ایک ایسا ستون عطا ہوا ہے جو کہ نہ کبھی خراب ہوا اور نہ منہدم ہو، جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے داعی (نبی) کو اپنی فرماں برداری کی بنا پر معزز ترین رسول کہہ کر پکارا ہے تو ہم تمام امتوں میں بزرگ ترین امت ٹھہرے۔

وبعد..... یہ رسالہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء اجداد کے

ایمان کے اثبات میں ہے۔

=====

۱۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہمارے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے معزز ترین رسول ہیں تو ہم آپ کے امتی ہونے کی بنا پر سب سے معزز ترین امت ٹھہرے [یہ اشعار امام السیوطی کے رسالے مسالک اخفاء میں نہیں ہیں۔ انہیں قاضی صاحب نے قصیدہ بردہ سے نقل کیا ہے] (فصل ۷) البتہ ہمارے سامنے جو نسخہ ہے اس میں طوبی کی جگہ بشری ہے۔

[باب ۱]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے فضائل

(صحاح میں وارد شدہ احادیث)

جان لیجئے کہ اس بارے میں سب سے زیادہ قابل اعتماد اور لائق یقین وہ احادیث اور روایات ہیں جو صحاح (۲) میں وارد ہوئی ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرناً مجھے اولاد آدم کے سارے زمانوں فقراً حتی بعثت من القرن الذی میں سے، سب سے بہتر زمانے میں کنت فیہ، رواہ البخاری (۳)

بھیجا گیا، یہاں تک کہ مجھے اس زمانے میں مبعوث کر دیا گیا، جس

میں کہ میں ہوں (البخاری)

۲۔ ”صحاح“ صحیح کی جمع ہے، اس سے مراد صحیح مسلم، صحیح بخاری اور دوسری کتب صحاح ہیں۔ ان کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کی یہ کتابیں صرف صحیح احادیث پر مشتمل ہیں۔

۳۔ البخاری: الصحيح، ۵۶۶:۶ (کتاب المناقب، باب (۲۳) صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۳۵۵۷۔

اس روایت کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابو ہریرہ بن عامر بن عبد ذی الشری بن طریف الدوسی رضی اللہ عنہ۔ ان کا نسب تعلق خاندان بنو دوس سے تھا۔ ۷۰ھ میں اپنی قوم کے ہمراہ مدینہ طیبہ میں آئے اور اسلام قبول کیا۔ ان کا شمار ان صحابہ کرام میں ہوتا ہے جو علم حدیث کے اساطین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو ہریرہ علم کا ظرف ہے (البخاری)؛ ان کی مرویات کی کل تعداد ۵۳۷۵ ہے۔ جن میں سے ۳۲۵ بخاری و مسلم میں متفق علیہ ہیں۔ انہوں نے ۷۸ برس کی عمر میں ۵۸ھ یا ۶۷ھ یا ۶۸ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا (ابن عبد البر: الاستیعاب، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ، ص ۶۹۷)۔

(۲) حضرت وائلہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله اصطفى من ولد ابراهيم
اسماعيل واصطفی من بنی کنانة
قريشا واصطفی من قريش بنی
هاشم واصطفانی من بنی هاشم
رواه مسلم (۳)
انتخاب فرمایا (مسلم)

۳۔ مسلم، ۸۴/۳ (کتاب الفضائل: باب (۱) فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وتسليم الحجر عليه قبل النبوة، حدیث (۲۳۷۶)۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ان الله اصطفى كنانة
من ولد اسماعيل واصطفی قريشاً من كنانة واصطفی من قريش بنی هاشم واصطفانی من
بنی هاشم۔

یہ حدیث مبارکہ البیہقی کی کتاب دلائل النبوة (۱۶۵/۱) میں اس طرح ہے:

ان الله عز وجل اصطفى بنی کنانة من بنی اسماعيل واصطفی من بنی کنانة قريشا
واصطفی من قريش بنی هاشم واصطفانی من بنی هاشم۔ اس کے علاوہ یہ حدیث امام ابو عیسیٰ
الترمذی نے بھی اپنی السنن (۵۸۳:۵) کتاب المناقب میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی
مسند (۱۰۷:۳) میں روایت کی ہے۔ اصطفیٰ (چن لیا) کے علاوہ یہ حدیث اختار (منتخب کیا) کے الفاظ سے
بھی ملتی ہے، چنانچہ امام البیہقی کی کتاب دلائل النبوة (۶۷:۱) میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: ان الله
عز وجل اختار فاختار العرب ثم اختار منهم كنانة او النضر بن كنانة ثم اختار منهم بنی
هاشم ثم اختارني من بنی هاشم۔ اس حدیث کے راوی حضرت وائلہ بن الاسود بن كعب بن عامر
ہیں، جن کا نسب تعلق لیث بن عبد منات سے تھا، وہ غزوہ تبوک (۹ھ) سے قبل اسلام لائے اور غزوہ
تبوک میں شرکت کی، انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابو مرثدہؓ، ابو ہریرہؓ

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما افترق الناس فرقتين الا جعلني
الله في خيرهما فاخرجت من بين
ابوي ولم يصبني من عهد
الجاهلية خرجت من نكاح ولم
اخرج من سفاح من لدن آدم
حتى انتهيت الى ابي وامی فانا
خيركم نفساً وخيركم اباً رواه
البیہقی فی دلائل النبوة (۵)
جب بھی لوگ دو حصوں میں بٹے
اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے
بہترین حصے میں رکھا، میں اپنے
والدین سے پیدا ہوا، تو مجھے زمانہ
جاہلیت کی کوئی بری بات نہیں پہنچی۔
حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر
میرے ماں باپ تک (درجہ بدرجہ)
نکاح کے ذریعے سے میرا نسب چلا

اور ام سلمہؓ سے روایت کی ہے، جبکہ ان سے ان کے بیٹے زیدؓ، ابو الدرداءؓ، الجولانی اور کئی تابعین
روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے ۸۳ یا ۸۵ھ میں بمقام دمشق انتقال فرمایا (ابن حجر العسقلانی: الاصابہ،
۶۲۶:۳)۔

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲۱۰:۱؛ الترمذی، ۵۸۳/۵ (کتاب المناقب: باب (۱) فضل النبی صلی
اللہ علیہ وسلم؛ (۱) حدیث ۳۶۰۷ و ۳۶۰۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اس حدیث
کے الفاظ یہ ہیں:

عن العباس رضي الله عنه انه جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فكانه سمع شيئاً
فقام النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله قال انا محمد
بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلني في خيرهم (اس کے بعد کی روایت
حسب متن ہے): حضرت عباسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
آئے، گویا اس وقت آپؐ نے کوئی بات سنی تھی۔ آپؐ منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور
فرمایا: میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد
المطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہت سے بہتر لوگوں میں رکھا ہے۔

بدکاری کے ذریعے نہیں، لہذا میں
اپنی ذات کے اعتبار سے بھی تم سے
بہتر ہوں اور اپنے نسب کے اعتبار
سے بھی تم سے افضل ہوں (الہیہتی:
دلائل النبوة)۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لم یلتفت ابوی علی سفاح قط
لم یزل اللہ ینقلبنی من الاصلاب
الطیبة الی الارحام الطاهرة
مصفی مہذباً لایشعب شعبتان
میرے والدین نے کبھی بھی بدکاری
کی طرف، ادنی درجے کا بھی، اتفات
نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مجھے پاکیزہ
پشتوں سے پاک، مصفی اور مہذب

نیز دیکھیے الہیہتی: دلائل النبوة - مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت (۱: ۱۷۴) اس میں یہ روایت اس
طرح ہے: قال و خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انا محمد بن عبد اللہ بن عبد
المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن
فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار و ما افرق
الناس (آگے روایت حسب متن ہے)۔ دلائل النبوة کے طابع ڈاکٹر عبدالمعطی قلعجی کے مطابق یہ
حدیث مالک کی روایت سے بہت زیادہ غریب ہے، اس کی روایت میں القدامی مفرد ہے، جو کہ ضعیف
ہے، جیسا کہ ابن کثیر (۲: ۲۵۵) نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ عبداللہ
بن عمر بن ربیعہ القدامی مفیضہ والوں میں سے تھا۔ وہ احادیث کو بدل دیتا تھا، اس نے امام مالک کی ایک
سوچاس سے زیادہ احادیث کو تبدیل کیا ہے، علامہ ابن حبان نے ان کا تذکرہ مجروح لوگوں میں کیا ہے۔

الا کنت فی خیر ہما... رواہ ابو
نعیم فی دلائل النبوة (۶)
بھی کسی خاندان کی دو شاخیں بنیں
میں ان دونوں میں سے بہترین شاخ
میں رہا (ابو نعیم: دلائل النبوة)۔

(۵) انہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیر العرب مضر و خیر مضر عبد
مناف و خیر بنی عبد مناف بنو
ہاشم و خیر بنی ہاشم بنو
عبدالمطلب واللہ ما افرق
فرقتان منذ خلق اللہ آدم الا کنت
عربوں میں سب سے بہتر خاندان بنو
مضر ہے اور بنو مضر میں سب سے بہتر
بنو عبد مناف ہیں، ان میں سب سے
بہتر بنو ہاشم ہیں اور بنو ہاشم میں بنو عبد
المطلب سب سے بہتر ہیں۔ اللہ کی

۶۔ ابو نعیم: دلائل النبوة؛ الیوطی: مسالک الخفاء ص ۸ [اس میں لم یلتفت ابوی علی سفاح قط والا
جملہ نہیں ہے]۔ اسی مضمون کی روایت الہیہتی نے دلائل النبوة (۱: ۱۷۴) میں حضرت اشعث بن قیس سے نقل کی
ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نحن النضر بن کنانہ لانتقی (تقذف) من ابنا و تعفوا منا
(احمد بن حنبل ۵/۲۱۱؛ ابن ماجہ: السنن، کتاب اللہ و دہ ۸/۲۷۱) یعنی ہم نضر بن کنانہ وہ لوگ ہیں جن کے
والدین پر بدکاری کی تہمت نہیں لگی اور ہماری مائیں بھی پاک دامن رہیں۔

روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ جو نبی اکرم ﷺ کے چچا لاہوائی، جلیل
القدر اور نامور صحابی، فقیہ، مفسر قرآن اور حبر الامۃ تھے۔ انہوں نے اپنے بچپن سے لیکر آنحضور ﷺ کی وفات
تک آپ کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا۔ خوش اخلاقی و جہالت شخصی اور تفقہ فی القرآن کے باعث حضرت
عمر رضی اللہ عنہ ان کی بے حد عزت کرتے اور مشکل مسائل میں ان سے مشورے لیتے۔ انہوں نے ۶۸ھ/۶۸۷ء
میں انتقال فرمایا ان سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث مروی ہیں (جوامع اسیرہ، ص ۶۷۶)۔

فی خیر ہما رواہ ابن سعد (۷)

قسم جب سے اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لیکر جب بھی دو شاخیں ایک دوسرے سے الگ ہوئیں تو اللہ نے مجھے ان دونوں میں سے بہتر شاخ میں رکھا ہے (ابن سعد)۔

(۶) [ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قال لی جبریل قلبت الارض مشارقها و مغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد ولم اجد بنی اب افضل من بنی ہاشم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر شخص رواہ البیہقی فی الدلائل

۷۔ ابن سعد کی طبقات میں یہ روایت تلاش کے باوجود نہیں ملی۔ ابن سعد نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے ذکر میں صرف یہ روایت نقل کی ہے۔

لاتسبوا مضرا نہ کان قد اسلم تم لوگ مضر کو برا مت کہو، اس لیے کہ وہ ایمان لے آئے تھے (ابن سعد، ۳۸/۱)

البتہ اسی مضمون کی ایک روایت البیہقی کی دلائل النبوة (۱۷۲/۱) میں موجود ہے جس میں ”خیر“ کے بجائے ”اختار“ کا لفظ آتا ہے (نیز دیکھیے السیوطی: مسالک الحفقاء، ص ۸)۔

والطبرانی (۸)

بہتر کوئی خاندان پایا (البیہقی: الدلائل، الطبرانی)۔

حافظ ابن حجرؒ اپنی امالی میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ درستی کے نشانات اس متن کے ظاہر پر موجود ہیں (۹)۔

امام السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی کئی روایات ہیں جن کا میں نے اپنی کتاب المعجزات کے ابتدائی حصے میں تذکرہ کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ لفظ

۸۔ البیہقی: دلائل النبوة (طبع قلعجی) ۱: ۳۸۸: ۱۴ اس حدیث کی تحریر البیہقی نے بھی کی ہے (تصحیح الزوائد ۸: ۲۰۷) اور اسے الطبری (معجم الاوسط) کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن عبید الربذی ہے جو کہ ضعیف راوی ہے (نیز دیکھیے السیوطی: مسالک الحفقاء، ص ۴؛ بحوالہ الطبرانی، الاوسط)۔

اس حدیث کی راویہ نامور صحابیہ اور حبیبہ حبیبہ اللہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واحد کنواری رفیقہ حیات تھیں، حضرت عائشہؓ بہت بڑی فقیہہ عالمہ اور مفسرہ قرآن تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اپنے دور خلافت میں جو بھی مشکل پیش آتی وہ انہی کی ذات سے رجوع فرماتے۔ حضرت عائشہؓ سے قریباً ۱۲۲۰ احادیث مروی ہیں۔ انہوں نے ۵۸۱ھ/۶۸۸-۶۸۹ء میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا (کمال: معجم اعلام النساء)۔

۹۔ السیوطی: مسالک، ص ۹؛ حافظ ابن حجر، العسقلانی کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس مضمون کی صداقت میں تو کسی مومن کو شبہ نہیں ہے اور جیسا کہ ہم اپنے مقدمہ میں ذکر کر آئے ہیں کہ یہ ”مضمون“ تو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد اور تمام جدات ہر اخلاقی نقص سے پاک و منزہ تھے، البتہ جہاں تک اس روایت کے الفاظ کا تعلق ہے تو اوپر ”ابن حجر اھستہ“ کے حوالے سے یہ لکھا جا چکا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

ابن حجر العسقلانی (۷۷۳ھ/۱۳۷۲ء-۸۵۲ھ/۱۴۳۹ء) اپنے زمانے کے مشہور و معروف محدث، مؤرخ اور فقیہ تھے۔ انہوں نے متعدد موضوعات پر کئی سو کی تعداد میں تصانیف مرتب فرمائی ہیں (دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳۷۹/۱-۳۸۱)۔

افضل، خیر، اصطفاء اور طاہر (پاک) کا اطلاق کفار کے لیے جائز نہیں ہے، (۱۰) اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (۱۱)

نیر فرمایا:

اِنَّ شَرَّ الدِّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۱۲)

سب سے بری مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا

سو وہ ایمان نہیں لاتے۔

یہ صحیح احادیث قطعی طور پر اس بات کا ثبوت ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جناب عبد اللہ بن عبد المطلب تک صاحب ایمان (مومن) تھے۔ اس مضمون کے خلاف جو روایات ملتی ہیں، اگر تو وہ کمزور ہوں، تو ان کا رد کرنا ضروری ہے اور اگر وہ صحیح ہوں تو ان کی تاویل لازم ہے اور جو احادیث اس مضمون پر دلالت کرتی ہیں، ہمیں انہی صحیح احادیث پر عقیدہ رکھنا چاہئے، ان میں سے اگر (بعض روایات) ضعیف بھی ہوں تو بھی وہ درجہ حسن تک ضرور پہنچ جاتی ہیں۔ (۱۳)

۱۰۔ السیوطی: مسالک، ص ۹۔

۱۱۔ التوبہ (۲۸/۹)۔

۱۲۔ الانفال (۹۵/۸)۔

۱۳۔ یہ مکمل پیرا اگر ان قاضی صاحب کا اپنا تبصرہ ہے، امام سیوطی کے ہاں یہ حصہ موجود نہیں ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے بعد نبوت خاندان بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) میں رہی اور خاندان اسماعیل میں کوئی بنی پیدا نہیں ہوا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء تمام انسانوں اور فرشتوں سے افضل ہیں، پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے ”جب بھی کوئی خاندان دو شاخوں میں بٹا، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان دونوں میں بہتر حصے میں رکھا“ (۱۴)۔

اسی طرح ارشاد نبوی ہے:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا (۱۵) اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کے بہت

بہترین زمانے میں مجھے مبعوث فرمایا

تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم کی اولاد حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق میں تقسیم ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے حضرت اسماعیل کی اولاد کا انتخاب فرمایا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق سے افضل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں خاندانوں میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین خاندان، یعنی بنو اسماعیل میں پیدا فرمایا۔ پھر خاندان اسماعیل دو شاخوں میں بٹا، تو اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے بہترین حصے میں رکھا، لہذا یہ بات اس پر دلالت نہیں کرتی کہ آنحضور

۱۴۔ احمد بن حنبل: مسند، ۱۹۶/۹، حدیث ۹۳۶۰۔

۱۵۔ احمد بن حنبل: مسند، ۶۵/۹، حدیث ۸۸۴۳ (اسنادہ حسن)۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد انبیائے بنی اسرائیل سے افضل تھے، بلکہ یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اجداد اپنے بھائیوں سے افضل تھے اور یہی بات ان کے ایمان پر بھی دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ کوئی کافر دوسرے کافر سے بہتر نہیں ہوتا، بلکہ وہ یا تو دوسرے سے بدتر ہوتا ہے یا پھر برائی میں دوسرے کافر ہی کی طرح ہوتا ہے اور ”چوپاؤں“ کا شر کسی طرح سے بھی بہتر نہیں ہوتا (۱۶)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

[باب ۲]

حضرت آدمؑ سے جناب عبدالمطلب تک
اجداد نبوی کے ایمان کا اثبات

اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت نوح علیہ السلام تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد مومن تھے، جیسا کہ البزاز نے اپنی مسند میں، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں اور الحاکم نے مستدرک میں، صحیح حدیث قرار دیتے ہوئے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے، ارشاد باری تعالیٰ:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً (۱)

تمام لوگ ایک ہی امت تھے

کے تحت روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس قرن (صدیاں، زمانے) تھے۔ اس دور میں سب لوگ حق پر تھے، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا (۲)۔

۱۔ البقرہ (۲/۲۰۳): دیکھیے السیوطی: مسالک الحنفاء، ص ۱۰، بحوالہ البزاز، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم۔

۲۔ اس روایت کو انہی الفاظ میں قاضی صاحبؒ نے اپنی تفسیر (۲/۲۵۲) بذیل البقرہ آیت (۲۰۳) نقل کیا ہے، مگر اس میں اختلافوں کے بعد فبعث اللہ الانبیاء نہیں ہے، لیکن، جیسا

کہ ظاہر ہے، یہ روایت تفسیری روایات کے تحت آتی ہے اور ایسی روایات سند اور ثقاہت کے اعتبار سے، کتب صحاح کی احادیث کا معارضہ نہیں کر سکتیں۔

اسی طرح ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہؓ سے مذکورہ آیت کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے، کہتے ہیں کہ:

”ہمیں یہ بتایا گیا کہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس قرون (زمانوں، صدیوں) کا فاصلہ تھا اس وقت تمام لوگ صاحب علم تھے جو حق سے ہدایت یافتہ تھے، پھر انہوں نے اس کے بعد اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا جو اللہ کے پہلے رسول تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا تھا“ (۳)

پھر جب لوگوں کے مابین اختلاف (اور بگاڑ پیدا) ہوا تو (اس بگاڑ کے وقت) حضرت نوحؑ کے والدین صاحب ایمان تھے، اس لیے کہ قرآن کریم میں حضرت نوحؑ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

۳۔ السیوطی: مسالک الخفاء؛ ص ۱۰، نیز دیکھیے تفسیر مظہری، ۲۵۳ (مطبوعہ دہلی ۱۹۵۵ء)، یہاں محدث پانی پتیؒ نے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جو مذکورہ دونوں روایات کے مخالف ہے، لکھا ہے:

وقال الحسن و عطاء كان الناس من وقت وفاة آدم الى مبعث نوح عليه السلام امة واحدة على الكفر مثال البهائم فبعث الله نوحا وغيره من النبيين، یعنی حسن اور عطاء کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی وفات سے لیکر حضرت نوحؑ کی بعثت تک تمام لوگ کفر پر ایک ہی امت تھے، چوپایوں کی طرح، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ اور دوسرے انبیاء کو بھیجا۔

پھر قاضی صاحبؒ نے خود ہی دونوں روایات میں تطبیق دی ہے، لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ابتدا میں تمام لوگ مسلمان ہوں، بعد ازاں انہوں نے باہم اختلاف کیا، تا آنکہ وہ سب لوگ حضرت نوحؑ کے زمانے میں کافر ہو گئے، ماسوائے حضرت نوحؑ کے والدین کے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا (۴) شخص کی جو میرے گھر میں صاحب ایمان ہو کر داخل ہو مغفرت فرما۔

پھر سام، حام، یافث (۵) حضرت نوحؑ کے تمام بیٹے نص قرآنی اور اجماع کی رو سے مومن تھے، اس لیے وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں ان کے والد نے کشتی میں سوار کیا اور (اس وقت عذاب الہی سے) مومن کے علاوہ کسی کو نجات نہیں ملی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ (۶) ہم نے انہی کی اولاد کو باقی رکھا

جب کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ (حضرت) سام نبی تھے (۷) اور ان کے بیٹے ارفخشذ کے ایمان پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے صراحت کی ہے، جس کا تذکرہ ابن عبد الحکم نے تاریخ مصر میں کیا ہے (۸)۔ جس میں یہ مضمون بھی ہے کہ انہوں نے اپنے جد بزرگوار حضرت نوحؑ کا زمانہ پایا تھا اور انہوں نے ان کے لیے

۴۔ نوح (۷۱: ۳۸)؛ دیکھیے مسالک، ص ۱۰۔

۵۔ امام السیوطیؒ نے صرف (حضرت) سام کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بالا اجماع مومن تھے (مسالک، ص ۱۰)۔ دوسرے حضرات کا تذکرہ قاضی صاحبؒ کا اضافہ ہے۔

۶۔ الصافات (۷۷: ۳۷)۔

۷۔ السیوطیؒ، ص ۱۰ (لیکن امام السیوطیؒ کے ہاں بھی یہ روایت کسی حوالے اور سند کے بغیر ہے اس لیے عمل نظر ہے)۔

۸۔ مسالک، ص ۱۰۔ (اصل میں ابن عبد الحکم، تصحیح از مسالک)۔

دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو نبوت اور حکومت عطا کرے (۹)۔

پھر ان کے بیٹے شاخ سے لیکر تاریخ تک تمام لوگوں کے ایمان کی صراحت ایک روایت (اثر) میں صراحت ملتی ہے (۱۰)۔

چنانچہ ابن سعد نے الطبقات میں الکعبی کے حوالہ سے ایک اثر (روایت) نقل کیا ہے (۱۱)۔

اور تاریخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے جب کہ آذر کے متعلق ترجیحی قول، جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا ہے، یہ ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، نہ کہ والد۔ ہمارے بزرگوں میں سے ایک جماعت کا بھی یہی قول رہا ہے۔

۹۔ مسالک، ص ۱۰، بحوالہ ابن عبدالحکم، تاریخ مصر۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۰۔

۱۱۔ یہ روایت السیوطیؒ نے ابن سعد سے الکعبی عن ابی صالح عن ابن عباس کی سند سے نقل کی ہے جو یہ ہے:

حضرت نوحؑ جب کشتی سے اتارے گئے تو وہ ایک بستی میں اترے وہاں ہر شخص نے اپنا اپنا گھر بنالیا۔ اس لیے اس جگہ کا نام ”سوق الثمانین“ رکھ دیا گیا، پھر تمام قاتیل کے خاندان والے لوگ ہلاک ہو گئے اور نوحؑ اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان جتنے بھی اجداد تھے وہ تمام کے تمام مسلمان تھے۔ پھر جب ”سوق الثمانین“ ان کے لیے تنگ پڑ گیا تو وہ بابل میں چلے آئے اور وہاں انہوں نے گھر بنا لیے۔ ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہو گئی یہ سب لوگ اسلام پر تھے اور وہ بابل میں عمرو بن کوش کھکان کے زمانے تک مسلمان رہے۔ جس نے انہیں بتوں کی پوجا کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے اس کی بات مان لی (مسالک، ص ۱۰)۔

اس نوع کی زیادہ تر روایات ہمارے اسلاف نے یہودی علماء سے لی ہیں، اس لیے محل نظر ہیں۔

امام السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مجاہدؒ، ابن جریرؒ اور السریؒ سے صحیح اسناد کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، وہ تو ابراہیم بن تاریخ تھے؛ السیوطیؒ کہتے ہیں کہ میں نے تفسیر ابن المنذر میں ایک روایت دیکھی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ وہ ان کا چچا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ سب لوگ آدم علیہ السلام سے لیکر ابراہیم علیہ السلام تک تمام کے تمام صاحب ایمان تھے، جن کا ایمان منصوص علیہ اور متفق علیہ ہے۔ ان میں سے کسی کے ایمان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، سوائے آذر کے اور (اس کے متعلق) راجع قول یہ ہے کہ وہ ان کا چچا تھا۔ اس کے ایمان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کی تائید مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے (۱۲)۔

پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے بعد احادیث صحیحہ اور علما کی تصریحات اس بات پر متفق ہیں کہ ابراہیم کے بعد اہل عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر قائم رہے۔ ان سے کسی نے کبھی کفر کیا اور نہ ہی کسی بت کی پوجا کی، تا وقتیکہ عمرو بن عامر الخزاعی نہ آگیا کیونکہ [عرب کی تاریخ میں] وہ پہلا شخص ہے، جس نے ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بدلائتوں کی پوجا کی اور جانوروں کو

۱۲۔ مسالک، ص ۱۱، نیز دیکھیے الدر المنثور، ۳/۳۰۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۹۹۳ھ

۱۳۔ امام السیوطیؒ نے یہاں مختلف اقوال جمع کر دیے ہیں، مثال کے طور پر:

(حضرت) مجاہد: آذر ابراہیم کے والد نہ تھے، لیکن وہ بت کا نام تھا؛

السدی: حضرت ابراہیم کے والد کا نام تاریخ تھا اور بت کا نام آذر تھا؛

ابن جریر: آذر ابراہیم کا باپ نہ تھا، وہ تو معبود تھا، وہ تو ابراہیم بن تیرح تھے؛

ابن عباس: حضرت ابراہیم کے والد کا نام آذر نہیں بلکہ تاریخ تھا (الدر المنثور، ۳/۳۰۰)۔

معبود قرار دیا (۱۳)۔

چنانچہ بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رأيت عمرو بن عامر الخزاعي في النار وكان اول من سب السوايب (۱۴)
میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے بتوں کے نام پر جانور وقف کیے۔

اور ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱۳۔ مسالک ص ۱۱۔

۱۴۔ مسلم ۲۱۹۱/۳ (کتاب الجنت وصفہ تعیمہ) باب ۱۳ (النارید خللها الجبارون) حدیث (۲۸۵۶) (۵۰)۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

رأيت عمرو بن لحي بن قمع بن خندف بنو كعب في النار
میں نے عمرو بن لحي بن قمع بن خندف بنو کعب کے جدا مجد کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

رأيت عمرو بن عامر الخزاعي يحرق قصبه في النار وكان اول من سب السوايب (مسلم ۲۱۹۲/۳؛ حدیث ۳۸۵۶) (۵۱) میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور وہ پہلا شخص تھا جس نے (عرب میں) بتوں کے نام پر جانور وقف کیے۔

نیز دیکھیے البخاری، حدیث ۱۷۵۷۔

میں نے عمرو بن لحي بن قمع بن خندف کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا (۱۵)۔

امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”سب سے پہلے جس نے جانوروں کو بتوں کے نام پر وقف کیا اور ان کی پوجا کی وہ ابو خزاعہ عمرو بن عامر ہے۔ میں نے اسے جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹے ہوئے دیکھا ہے“

الحافظ عماد الدین بن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ تمام اہل عرب حضرت ابراہیم کے دین پر تھے، یہاں تک کہ عمرو بن عامر الخزاعی کے کاوالی بن گیا اور اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے بیت اللہ شریف کی ولایت چھین لی، اس وقت عمرو نے بتوں کی پوجا کا آغاز کیا اور عربوں میں گمراہ کاموں کی ابتدا کی اور تبلیہ (جج) میں ”لا شريك لك“ کے بعد الا شريكاً هولك تملک (سوائے اس شریک کے، جس کا تو مالک ہے) کا اضافہ کیا اور عربوں نے شرک میں اس کی تقلید کی۔

پھر بھی کچھ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے دین پر قائم رہے، جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد بھی شامل تھے۔ اس لیے کہ ابن حبیب نے اپنی تاریخ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ عدنان، معد، ربیعہ، مضر،

۱۵۔ السیوطی، الدر المنثور، ۲۱۰/۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت؛ احمد بن حنبل: مسند، ۴۲۲/۷۔
۲۲۳، حدیث ۷۶۹۶، اس کے الفاظ یہ ہیں: رأيت عمرو بن عامر الخزاعي يحرق قصبه، یعنی الامعاء في النار، وهو اول من سب السوايب نیز دیکھیے: مسند، ۴۱۹/۷، حدیث ۸۷۷۳ (سند صحیح ہے)۔

خزیمہ اور اسد^(۱۶) ملت ابراہیمی پر قائم تھے اور ابن سعد نے الطبقات میں (حضرت) عبد اللہ بن خالد^(۱۷) سے مرسل روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم لوگ مضر کو برا مت کہو، اس لیے کہ وہ اسلام لے آئے تھے^(۱۸)۔

اور الروض (الانف) میں امام السہیلیؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتسبو الیاس فانہ کان مؤمنا الیاس کو برا بھلا مت کہو، اس لیے کہ وہ مؤمن تھے^(۱۹)۔

اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اپنی صلب (پشت) میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج

۱۶۔ السیوطی، مسالک الخفاء، ص ۱۲، بحوالہ ابن کثیر، تاریخ۔

۱۷۔ السیوطی، مسالک، ص ۱۳، بحوالہ ابن حبیب، تاریخ۔ روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: فلا تذکروہم الا بخیر (بس تم ان کا بھلائی سوا کے تذکرہ نہ کرو)۔ ان سب بزرگوں کا تذکرہ تفصیلاً ہم نے اپنی کتاب ”آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد“ میں کیا ہے۔

۱۸۔ السیوطی، مسالک الخفاء، ص ۱۵۔ عبد اللہ بن خالد، غالباً اس سے مراد عبد اللہ بن خالد بن اسید ہیں جو مشہور صحابی حضرت اسید بن ابی العیص کے بیٹے تھے۔ وہ زیاد کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں بصرہ کے والی (گورنر) بھی رہے۔ ان کے بارے میں صحابیت اور تابعیت کے دونوں اقوال ہیں۔ وہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے (۴۰-۶۰ھ) میں حیات تھے (الاصابہ، ۳۰۱/۲، ۳۰۲)۔

۱۹۔ ابن سعد، جلد اول، السہیلی، ۶۱:۱۔

کے لیے تبلیہ سنا کرتے تھے^(۲۰)۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کعب بن لؤی پہلا شخص ہے، جس نے لوگوں کو یوم الترویہ (۸ ذوالحجہ) کے لیے جمع کیا۔ قریش ان کے پاس جمع ہوتے، وہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق بتاتے تھے اور وہ بیان کرتے تھے کہ وہ ان کی اولاد ہوں گے، وہ انہیں آپؐ کی اتباع اور آپؐ پر ایمان لانے کی تعلیم دیتے تھے اور کئی اشعار بھی پڑھا کرتے تھے، جن میں سے ایک حسب ذیل ہے:

یا لیتنی شاہدا نجواء دعوتہ^(۲۱) اذا قریش تبغی الحق خذلانا

(اے کاش میں اس وقت موجود ہوتا، جب قریش حق کو رسوا کرنا چاہیں گے)۔

امام السہیلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت الماوردی حضرت کعبؓ سے اپنی کتاب الاعلام میں روایت کر چکے ہیں^(۲۲)۔

امام السیوطیؒ فرماتے ہیں:

”ابو نعیم نے دلائل النبوة میں اپنی سند سے ابو سلمہ بن

عبد الرحمان بن عوف سے روایت کی ہے، جس کے آخر میں

۲۰۔ عبد الرحمان الوکیل (طالع الروض الانف) نے لکھا ہے کہ یہ حدیث الزرکشی کی برحان کے حوالے سے روایت کی گئی ہے، مگر مجھے اس حدیث کا حال معلوم نہیں ہے، البتہ السیوطی کی جامع الصغیر میں اس کے یہ الفاظ ہیں: لاتسبوا الیاس فانہ کان قد اسلم، مگر یہ روایت عبد اللہ بن خالد سے مرسل مروی ہے اور ضعیف ہے (۶۱/۱، حاشیہ ۳)۔

۲۱۔ اصل میں نجواء ہے، جو تحیف ہے، صحیح از السہیلی، ۵۳/۱۔

۲۲۔ السہیلی، ۵۲/۱۔ بقول السہیلی لفظ کعب یا تو کعب سے ہے، جس کے معنی گھی کے ٹکڑے کے ہیں، یا پھر کعب بمعنی پٹلی سے، یہی قول رائج ہے (۵۱/۱)۔

ہے کہ کعب (بن لؤی) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ میں پانچ سو ساٹھ سالوں کا فرق ہے (۲۳)۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت کعب اور ان کے بیٹے مرثدہ تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد کا ایمان منصوص علیہ ہے، اب رہ گئے مرثدہ اور جناب عبدالمطلب کے درمیان چار اجداد، یعنی کلاب قصی، عبد مناف اور ہاشم۔ امام السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے خصوصیت کے ساتھ ان بزرگوں کے ایمان کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملی۔
میں کہتا ہوں (۲۴) کہ ان بزرگوں کے ایمان کے متعلق مذکورہ بالا، مجمل، آثار اور روایات ہی کافی ہیں۔ جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل سامنے نہ آئے (۲۵)۔

جہاں تک جناب عبدالمطلب کا تعلق ہے تو ان کے متعلق لوگوں کے درمیان اختلاف ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ”نور“ جب ان پر ظاہر ہوا تو اسی نور کی برکت سے انہوں نے ابرہہ سے کہا تھا کہ اس گھر کا ایک

۲۳۔ مسالک، ص ۱۵ بحوالہ ابو نعیم، دلائل النجوة۔

۲۴۔ مراد قاضی محمد ثناء اللہ، مؤلف رسالہ ہذا ہیں۔ اسی طرح آگے بھی جہاں یہ جملہ ”قلت“ (میں کہتا ہوں) آیا ہے، اس سے قاضی صاحبؒ ہی مراد ہیں۔

۲۵۔ مطلب یہ ہے کہ کتاب کی ابتدا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے متعلق قاضی صاحبؒ نے جو روایات اور آثار روایت کیے ہیں، جن سے ان کے اخلاق کی بلندی اور پاکیزگی کا پتہ چلتا ہے، ان روایات سے، علامہ السیوطیؒ کی اتباع میں قاضی صاحبؒ بھی یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ ان بزرگوں کے بارے میں اصطفیٰ اور طہارت وغیرہ کے الفاظ ان کے صاحب ایمان ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

واللہ اعلم۔

مالک (رب) ہے، جو اس کی حفاظت کرے گا (۲۶) اور انہوں نے جبل ابوقتیس پر چڑھ کر یہ قطعہ کہا تھا:

لاہم ان المرء یمنع رحالہ (۲۷)

فامنع رحالک (۲۸)

لا یغلبن صلیبہم (۲۹) ومحالہم محالک (۳۰)

فانصر علی آل الصلیب وعابدیہ الیوم آک (۳۱)

اور اسی نور کی برکت سے وہ اپنی اولاد کو ظلم و زیادتی چھوڑنے اور عمدہ اخلاق اپنانے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور دنیوی معاملات میں بھی خست و دناءت سے روکتے تھے، وہ اپنی وصایا میں فرماتے ہیں:

۲۶۔ ابن سعد، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۸ھ ۱۹۴۱ء۔

۲۷۔ اصل میں ”رحالہ“ ہے جو غلط ہے، تصحیح از ابن سعد ۱۳۸۱ء۔

۲۸۔ ابن سعد (۱۳۸۱ء) میں حلالک ہے، جس کے معنی ان لوگوں کے ہیں جو علاقہ حرم میں مقیم ہیں، تاہم حاشیے میں مذکور ہے کہ بعض نسخوں میں ”رحالک“ بھی ہے، گویا دونوں طرح درست ہے، اس لیے ہم نے متن میں ”رحالک“ ہی رہنے دیا ہے۔

۲۹۔ اصل میں عیالہم ہے جو تسامح ہے، تصحیح از ابن سعد ۱۴۲۱ء۔

۳۰۔ اصل میں ابدعیاک ہے جو کہ درست نہیں ہے، تصحیح از ابن سعد ۱۴۲۱ء۔ ان قطعات کا ترجمہ یہ ہے۔
”کوئی غم نہیں“ (اس لیے) ہر شخص اپنے ساز و سامان کی حفاظت کرتا ہے، (اے اللہ) تو بھی اپنے ”سامان“ (گھر) کی حفاظت فرما، ان کی صلیب اور ان کے لوگ، اے اللہ تیرے گھر پر غالب نہ ہوں، (اے اللہ) تو آج صلیب کے ماننے والوں اور اس کے پجاریوں کے خلاف اپنے گھر والوں کی مدد فرما۔

۳۱۔ آخری جملہ ابن سعد میں نہیں ہے، اس میں اس کی جگہ یہ بیت ہے۔

ان کنت تارکھم و قبلتنا فامر مابداک (ابن سعد ۱۴۲۱ء)۔

”ظالم شخص دنیا سے اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اس سے بدلہ نہ لے لیا جائے اور اسے اس کے کیے کی سزا نہ مل جائے“ (۳۲)

ایک مرتبہ [مکہ مکرمہ میں] ایک ظالم شخص فوت ہو گیا اور اسے اس کے کیے پر سزا نہ ملی، تو لوگوں نے جناب عبدالمطلب سے کہا، تو جناب عبدالمطلب نے تھوڑی دیر غور کیا اور پھر کہا:

”بخدا اس دنیا کے پیچھے ایک اور دنیا ہے۔ جہاں نیکو کار کو اس کی نیکی کا اور بدکار کو اس کی برائی کا بدلہ ضرور مل کر رہیگا“ (۳۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جناب عبدالمطلب سے کوئی ایک بات بھی ایسی مروی نہیں ہے جو ان کے کفر پر دلالت کرتی ہو، جبکہ ان کے صاحب ایمان ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی یکتائی پر ایمان رکھنا کافی ہے، اس لیے کہ وہ زمانہ فترت میں تھے، ابن سعد نے اپنی کتاب الطبقات میں اپنی اسناد سے نقل کیا ہے، کہ جناب عبدالمطلب نے حضرت ام ایمنؓ (۳۴) سے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انا تھیں اور آپ کو گود میں کھلاتی تھیں: فرمایا تھا

”اے برکت میرے بچے سے غافل نہ رہنا، اس لیے کہ میں

۳۲- تفصیل کے لیے دیکھیے ابن سعد، ۱/۱۷۲۔

۳۳- مسالک الحقاء، ص ۱۶۔

۳۴- حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا نام برکت تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انا تھیں۔ انہوں نے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ کی وفات کے بعد مکہ مکرمہ پہنچایا اور اپنی شفقت کی گود میں کھلایا تھا (جوامع السیرہ)۔

نے اسے نوجوان لڑکوں کے ہمراہ سدرہ کے قریب دیکھا ہے

اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ میرا یہ بیٹا اس امت کا نبی ہے (۳۵)۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ وہ توحید، ملت حنیفیہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے منتظر لوگوں میں سے تھے اور اس دور میں جس کسی کے بھی یہ حالات تھے، وہ مومن تھا، جیسے کہ ورقہ بن نوفل (۳۶)

۳۵- ابن سعد میں ہے:

”قال اخبرنا محمد بن عمر واقد الاسلمی قال حدثني محمد بن عبد الله عن الزهري قال وحدثنا عبد الله بن جعفر عن بن عبد الواحد بن حمزة بن عبد الله قال وحدثنا هاشم بن عاصم الاسلمی عن المنذر بن جهم قال وحدثنا عن ابی نجيع عن مجاهد قال وحدثنا عبد الرحمان بن عبد العزيز عن ابی الحويرث قال وحدثنا ابن ابی سبرة عن سليمان بن سحيم عن نافع بن جبير دخل حديث نعيم في حديث بعض قالوا قوم من بنی مدلج لعبد المطلب احتفظ به فانالم نرقداً استبه بالقدم التي في المقام منه فقال عبد المطلب لابی طالب اسمع مايقول هولاء فكان ابو طالب يحتفظ به وقال عبد المطلب لام ايمن و كانت تحضن رسول الله صلى الله عليه وسلم يا بركة لا تغفلي عن ابني فاني وجدته مع غلمان قريباً من السدرة وان اهل الكتاب يزعمون ان ابني هذا نبی هذه الامة (جلد ۱)۔ (سند کے بعد.... بنی مدلج کے لوگوں نے عبدالمطلب سے کہا کہ اس بچے کی حفاظت کرو، اس لیے کہ ہم نے اس سے زیادہ کسی کے قدموں کو اس نشان سے مشابہہ نہیں دیکھا جو مقام ابراہیم میں ہے، عبدالمطلب نے جناب ابوطالب سے کہا سنو یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، چنانچہ ابوطالب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کرتے تھے اور عبدالمطلب نے ام ایمنؓ سے کہا، جو آپ کی انا تھیں، اے برکت میرے اس بیٹے سے غافل نہ رہنا، اس لیے کہ میں نے اسے سدرہ کے قریب بچوں کے ساتھ دیکھا ہے اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ اس امت کے نبی ہیں“ (نیز دیکھیے مسالک الحقاء)۔

۳۶- ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے، انہوں نے جاہلیت میں عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ الطبری، البغوی، ابن قانع اور ابن السکن وغیرہ نے ان کو صحابہ کرام میں

زید بن عمرو (۳۷) قس بن ساعدہ (۳۸) اور اوس بن حارثہ (۳۹) وغیرہ تھے۔

اور البراز اور الحاکم نے المستدرک میں (ام المؤمنین) حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

شمار کیا ہے، لیکن ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں ہے، اس لیے کہ ان کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب ابھی آپؐ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا شروع نہیں کیا تھا۔ البخاری (حدیث ۳) کے مطابق جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی اتری اور آپؐ کو اس حالت میں گمراہت سی محسوس ہوئی تو حضرت خدیجہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی ورقہ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ نے جب پورا قصہ سنا تو کہا: کہ یہ تو وہی ذات ہے جو حضرت موسیٰؑ پر اترتی تھی، پھر کہا: کاش میں اس وقت زندہ اور جوان ہوتا، جب آپؐ کی قوم آپؐ کو (اپنے شہر سے) نکال دے گی، تو میں آپؐ کی مدد کرتا۔ پھر وہ زمانہ فترت میں انتقال کر گئے۔ ان کا ایمان لانا مختلف فیہ ہے (دیکھیے ابن حجر: الاصابہ ۳: ۶۳۴)۔

۳۷۔ زید بن عمرو بن نوفل الحکمی القرشی ان متلاشیان حق میں سے تھے، جنہیں حنیف (جمع: خفاء) کہا جاتا تھا۔ ان کا انتقال بعثت نبویؐ سے پہلے ہو گیا تھا، اس وقت ابھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی۔ زید نے بت پرستی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، لیکن وہ نہ تو عیسائی ہوئے تھے اور نہ یہودی۔ وہ دختر کشی کی رسم کے سخت خلاف تھے، وہ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیروکار سمجھتے تھے، وہ حضرت عمرؓ کے عم زاد بھائی تھے، ان کے بیٹے سعید کو قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی (الذہبی: سیر اعلام ۱: ۸۹۸۳، ۹۰)۔

۳۸۔ قس بن ساعدہ الیادی بن عمرو بن عدی بن مالک بن زید عان۔ وہ زمانہ قبل از اسلام کا ایک مشہور دانش ور، خطیب اور بلاغت میں منفرد مقام کا حامل شخص تھا، وہ بھی عرب کے ان چند لوگوں میں سے تھا، جنہیں اسلام سے پہلے بت پرستی سے نفرت ہو گئی تھی اور جو ”عرب“ میں متحد سمجھے جاتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ جب بنو عبد القیس کا وفد مدینہ طیبہ آیا، تو آپؐ نے اس سے ”قیس“ کے بارے میں پوچھا اور فرمایا کہ میں نے اسے سوق عکاظ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا ہے (الاصابہ ۱: ۵۶۹)۔ بذیل مادہ۔ ابو حاتم البستانیؒ نے ان کا تذکرہ ”معمرین“ (بڑی عربانے والے لوگوں) میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے ۳۸۰ برس عمر پائی تھی، خطابت کے ضمن میں کئی باتیں ان سے منسوب ہیں (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ)۔

۳۹۔ اوس بن حارث بھی عرب کے موحدین میں سے تھا، دوسرے کوائف نامعلوم ہیں۔

لاتسبو الورقة فانی رأیت له حنة
او حنتين (۴۰)
تم ورقہ کو برا بھلا مت کہو، اس لیے
کہ میں نے ان کے لیے ایک یاد و باغ
دیکھے ہیں۔

اور البراز نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں:
”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق
پوچھا تو ہم نے کہا: ”وہ قبلہ کو ماننا تھا اور کہتا تھا کہ میرا دین دین ابراہیمی ہے۔“
آپؐ نے فرمایا:

”یہ ایک ہی امت ہے، جو میرے اور عیسیٰؑ بن مریم کے درمیان اٹھائی جائے
گی۔“

۴۰۔ مستدرک حاکم (جلد ۱) میں یہ روایت ان الفاظ میں ملتی ہے:

عن عروه عن عائشة رضی اللہ عنہا
قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم عن ورقة فقال له خديجة انه كان
صدقك ولكن مات قبل ان تطهر فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأيت في
المنام وعليه ثياب بيض ولو كان من اهل
النار لكان عليه لباس غير ذلك هذا
حديث صحيح الاسناد ولم يخبرناه

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ورقہ
کے متعلق پوچھا گیا، حضرت خدیجہؓ بولیں:
انہوں نے آپؐ کی تصدیق کی تھی، لیکن وہ
اس وقت فوت ہو گئے تھے، جبکہ ابھی آپؐ
نے اپنی نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا، آپؐ نے
فرمایا کہ مجھے ورقہ کو خواب میں سفید کپڑوں
میں ملبوس دکھایا گیا ہے اور اگر وہ جہنمی ہوتے

تو دوسرے لباس میں دکھائے جاتے۔ یہ
روایت سند کے اعتبار سے صحیح ہے، البتہ اسے
بخاری و مسلم نے تخریج نہیں کیا۔

اور ہم نے آپ سے ورقہ بن نوفل کے متعلق پوچھا، آپ سے کہا گیا کہ یارسول اللہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرتا تھا اور کہتا تھا:

”میرا خدا وہی ہے جو زید کا ہے اور میرا دین وہی ہے جو زید کا دین ہے“
تو آپ نے فرمایا:

”میں نے اسے جنت کے وسط میں اس حال میں چلتے ہوئے دیکھا ہے کہ اس پر سندس کی ایک بڑھیا پوشاک تھی،“ (۴۱)

ابو نعیم نے دلائل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ قس بن ساعدہ سوق عکاظ میں اپنی قوم کو خطبہ دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے خطبے کے دوران میں کہا:

”بہت جلد تمہارے سامنے اس جانب سے حق ظاہر ہو جائے

گا۔ (اور اس نے مکے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا)“ لوگوں نے

پوچھا کہ اس حق کو کون ظاہر کرے گا؟ کہا ”ایک ایسا شخص جو

لوی بن غالب کی اولاد میں سے ہوگا، وہ تمہیں کلمہ اخلاص اور

ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی اور نعمتوں کی طرف بلائے گا۔ جو کبھی ختم

نہ ہوں گی اگر وہ تمہیں بلائے تو اس کی بات قبول کرنا اور اگر یہ

علم ہوتا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت

زندہ رہوں گا تو میں وہ پہلا شخص ہوتا جو ان کی اتباع کرتا (۴۲)۔

۴۱۔ السیوطی، بحوالہ مسند البراز۔

۴۲۔ السیوطی بحوالہ ابو نعیم: دلائل النبوة۔ اس حدیث کو ناقدین نے ضعیف، بلکہ موضوع قرار

دیا ہے، دیکھیے السیوطی، اللالی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ، قاہرہ ۱۳۱۷ھ: ۹۵-۱۰۰۔

امام الطبرانی نے اپنی کتاب المسند الکبیر میں، ایسی سند سے جس کے رجال ثقہ ہیں، غالب بن ابجر (۴۳) سے روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ [ایک مرتبہ] قس کا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تذکرہ ہوا، تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قس پر رحم فرمائے، پوچھا گیا یارسول اللہ آپ قس پر ”رحمت“ کی دعا کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، اس لیے کہ وہ ہمارے جد امجد اسماعیل بن ابراہیم کے دین پر تھے (۴۴)۔

اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں جامع بن حران سے نقل کیا ہے کہ اوس بن خارجہ ”دعوت حق“ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا ذکر کرتا تھا اور اسی بات کی اس نے مرتے وقت اپنے بیٹے مالک کو بھی وصیت کی تھی (۴۵)۔

الغرض جس طرح ان لوگوں کا ایمان لانا ثابت ہوتا ہے اسی طرح جناب عبد المطلب کا مومن ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، چنانچہ ابن سید الناس نے اپنی کتاب السیرۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب عبد المطلب کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر زندہ کیا، یہاں تک کہ وہ نبی اکرم

۴۳۔ غالب بن ابجر کا نسب تعلق قبیلہ بنو مزینہ سے تھا، ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں کہ انہیں شرف صحابیت حاصل تھا، وہ کوئی تھے، دوسرے قول کی رو سے وہ غالب بن دغخ تھے، ان سے ایک روایت سنن ابی داؤد میں بھی مروی ہے، دیگر حالات معلوم نہیں ہیں (الاصابہ، ۱۸۳/۳)۔

۴۴۔ الطبرانی، المسند الکبیر۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے الاصابہ (۱۸۳/۳) میں غالب بن ابجر سے قس کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قس کا ذکر ہوا تو فرمایا: قس اللہ کا شیر ہے۔

۴۵۔ ابن عساکر: تاریخ۔

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے^(۳۶) لیکن یہ حدیث ”ائمہ“ محدثین میں سے کسی سے بھی مروی نہیں ہے، حتیٰ کہ اس بارے میں کوئی ضعیف روایت بھی نہیں ملتی ہے [اس لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی]۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

۶۶۔ (۱) ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ آمَنَ بِي وَأَمَرَ بِأُخْرَتِي فَلَهُ أَجْرُ ثَلَاثِينَ نَفْسًا“ (۱)۔
۶۷۔ (۲) ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ آمَنَ بِي وَأَمَرَ بِأُخْرَتِي فَلَهُ أَجْرُ ثَلَاثِينَ نَفْسًا“ (۲)۔
۶۸۔ (۳) ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ آمَنَ بِي وَأَمَرَ بِأُخْرَتِي فَلَهُ أَجْرُ ثَلَاثِينَ نَفْسًا“ (۳)۔

[باب ۳]

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین سعیدین کے ایمان کا اثبات

اب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین جناب عبد اللہ اور حضرت آمنہ کے ایمان کا اثبات تورہ گئی، اگر اس بارے میں ہمارے مدعا کے خلاف دلالت کرنے والی روایات نہ ہوتیں تو ہمیں طویل بحث کی ضرورت نہ تھی۔ ہم ابتداءً ان روایات کا ذکر کریں گے جو ہمارے دعوے کے خلاف پر دلالت کرتی ہیں، پھر ان کے جواب، بعض روایات کی تاویل بیان کریں گے۔ بعد ازاں ہمارے موقف کے حق میں دلائل کا تذکرہ کریں گے، تمام لوہین اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہے۔

۱۔ مخالف روایات

(۱) الحاکم نے ایوب بن ہانی عن مسروق (ابن اجدع) عن ابن [عبد اللہ بن مسعود] کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں:

خرج رسول الله عليه وآله وسلم ينظر في المقابر وخرجنا معه فامرنا فجلسنا ثم تحظأ (تحظي؟) القبور حتى انتهى الى قبر منها فناجاه طويلا ثم ارتفع [نحيب رسول الله صلى الله عليه وسلم] باكيا فبكينا البكاءه فتلقاها عمر [ابن الخطاب] فقال يارسول الله مالذي ابكاك فقد ابكنا وافز عنا فجاء [ف] جلس اليها فقال افزعكم بكائي [ف] قلنا نعم [يارسول الله] قال ان القبر الذي رأيتمو نى اناحيه فيه قبر آمنة بنت وهب واني استاذنت ربي فاذن لي فاستاذنته في الاستغفار فلم ياذن لي فنزل

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبرستان کی زیارت کے لیے گئے۔ اس وقت ہم بھی آپ کے ہمراہ تھے، آپ نے ہمیں (بیٹھے) کا حکم دیا تو ہم بیٹھ گئے پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کو پھلانگتے ہوئے ایک قبر کے پاس پہنچے۔ آپ نے وہاں طویل سرگوشی کی، پھر آپ روتے ہوئے قبر کے پہلو سے اٹھ گئے، ہم بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رونے کی بنا پر رونے لگ گئے، پھر جب آپ اٹھ کر ہماری جانب آرہے تھے تو حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنے سے آتے ہوئے ملے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ

منا كان للنبي والذين امنوا ان يستغفرو للمشركين ولو كانوا اولى قربي من بعد ما تبين لهم انهم اصحاب الحميم O وما كان استغفار ابراهيم لا بيه الا عن موعدة وعدھا اياه فلما تبين له انه عدو لله تبرأ منه ان ابراهيم لا واه حليم (۱) - فاخذني ما ياخذ الولد للوالدة من الرقة فذا لك الذي ابكاني.

کیوں روئے ہیں، اس لیے کہ اس سے ہمیں بھی رونا آگیا اور اس نے ہمیں بھی گھراہٹ میں ڈال دیا ہے، پھر آپ ہمارے قریب آکر بیٹھ گئے اور فرمایا:

وہ قبر کہ جس کے پاس دعا کرتے ہوئے تم نے مجھے دیکھا وہ آمنہ بنت دھب [میری والدہ ماجدہ] کی قبر ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت مل گئی، پھر میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں ملی اور مجھ پر یہ آیت نازل ہوئیں:

”نبی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں اگرچہ وہ (مشرکین) ان کے رشتہ

دار ہوں جب ان پر یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ (لوگ) جہنمی ہیں اور ابراہیمؑ کا اپنے والد کے حق میں دعائے مغفرت کرنا تو محض ایک وعدہ کے سبب تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا، پھر جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گئے، بے شک ابراہیمؑ بڑے ہی نرم دل اور بردباد تھے۔

اس سے مجھ پر وہ جذبہ طاری ہو گیا جو ہر بیٹے پر اپنی والدہ کی طرف طاری ہوتا ہے، بس اسی بات نے مجھے رلا دیا۔

الحاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، مگر الذہبی نے شرح المستدرک میں اس پر الحاکم کا مواخذہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایوب بن ہانی کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے (۲)۔

۲۔ الحاکم النیسابوری: مستدرک (مطبوعہ حیدر آباد دکن) ۳۳۶/۲، کتاب التفسیر سورۃ التوبہ۔ الحاکم لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہے، مگر دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔ قاضی صاحبؒ نے اس حدیث کو تفسیر مظہری (۳/۳) میں بھی درج کیا ہے۔ تاہم جیسا کہ متن کتاب میں ہے، امام الذہبی نے اس حدیث کو ضعیف (کمزور) قرار دیا ہے، چنانچہ عامہ السیوطی، مسالک (ص ۲۲) میں فرماتے ہیں کہ ”یہ روایت ضعیف ہے اور صحیحین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت جناب ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔“

(۲) الطبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آئے اور عمرہ کیا تو آپؐ ثنیہ معصفان سے نیچے اترے اور آپؐ اپنی والدہ کی قبر پر گئے، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود والی روایت بیان کی ہے اور اس میں آیت کا نزول بیان کیا ہے، مگر اس کی سند [بھی] ضعیف ہے، (۳)۔

(۳) ابن سعد اور ابن شاہین نے ”حضرت بریدہؓ“ سے روایت کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

لما فتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اتی قبر امہ فجلس وسلم نے مکہ فتح کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر کے

۳۔ تفسیر مظہری (تفسیر سورۃ التوبہ)۔

۴۔ ابن سعد کی روایت کا پورا متن اس طرح ہے:

قال اخبرنا قبيصة بن عتبة ابو عامر السوائي (ابتدائی سند کے بعد) حضرت ابن بریدہ اپنے اخبرنا سفیان بن سعيد الثوري عن علقمة (والد حضرت بریدہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بن مرثد عن ابن بريدة عن ابيه قال لما فتح رسول الله عليه وسلم مكة اتى جذم قبر فجلس اليه وجلس الناس حوله فجعل يهينه (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر کے ایک قبر کے نشان پر آئے پھر آپؐ بیٹھ گئے اور لوگ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس بیٹھ گئے، پھر آپؐ ایسے

پاس گئے اور وہاں جا کر بیٹھ گئے، پھر اس کے بعد روایت حسب سابق ہے۔

(۴) اور ابن جریر اور شاہین کی بریدہ سے روایت کے یہ الفاظ ہیں:
”جب مکہ فتح ہوا تو آپ مکہ مکرمہ آئے اور آپ اپنی والدہ کی قبر کے نشان کے پاس آئے“ (۵)

(۵) ابن جریر کے ہاں یہ روایت ایک اور طرح بھی ہے:

وكان من اجراء الناس فقال بابي انت وامی
يا رسول الله ما الذي ابكاك فقال هذا قبر امی
سألت ربی الزیارة فاذن لی وسألتہ الا ستغفر
فلم یاذن لی فذکرتہا فرقت فلم یریم ما کان
اکثر باکیا من یومئذ (ابن سعد ۱/۱۷۷)

متوجہ ہوئے جیسے کسی سے مخاطب ہوں، پھر آپ روتے ہوئے اٹھ گئے، حضرت عمرؓ نے آپ کے سامنے آئے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو میں تمام لوگوں سے زیادہ بے تکلف تھے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ کیوں روتے ہیں، فرمایا: یہ میری والدہ کی قبر ہے، میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تھی، تو مجھے اجازت مل گئی، پھر میں نے دعائے مغفرت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہ ملی، میں نے اپنی والدہ کو یاد کیا تو مجھ پر رقت طاری ہو گئی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن سے زیادہ کبھی روتے ہوئے نہ دیکھا گیا۔

۵۔ تفسیر ابن جریر، ۵۱۰/۱۳، طبع محمود محمد شاہ، دار المعارف، قاہرہ، حدیث کا متن اس طرح

ہے: لما قدم رسول اللہ علیہ وسلم مکة وقف علی قبرامہ حتی سنخت علیہ الشمس رجاء ان یوذن لها حتی نزلت ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی۔

لما قدم مکة و وقف علی قبرامہ
حتى سنخت علیہ الشمس رجاء
ان یوذن له فیستغفر لها
فنزلت..... (۶)

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ
مکرمہ آئے تو اپنی والدہ کی قبر کے
پاس جا کر کھڑے ہو گئے، یہاں تک
کہ آپ کو سورج کی تپش محسوس
ہونے لگی، اس امید پر کہ ان کے لیے
آپ کو استغفار کی اجازت مل جائے۔
اس وقت (مذکورہ بالا) آیت نازل
ہوئی۔

ابن سعد اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ روایت غلط ہے،
سیدہ آمنہ کی قبر مکہ میں نہیں ہے، بلکہ [مقام] البواء (۷) میں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا حدیث کے تمام طرق کمزور (معلول) ہیں،
حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے صحیح البخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ:

”جن لوگوں نے ابن مسعود کی حدیث کی صحت کا قول کیا ہے
وہ اس لیے نہیں کیا کہ وہ فی ذاتہ صحیح ہے، بلکہ اس کے مختلف
طرق سے وارد ہونے کی بنا پر کیا ہے اور میں نے ان پر غور کیا
ہے تو میں نے ان تمام کو کمزور (معلول) پایا ہے۔“

۶۔ تفسیر الطبری، ۵۱۱/۱۳، طبع محمود محمد شاہ۔

۷۔ ابن سعد، ۱۱۷/۱۳ (ذکر وفاة آمنہ ام رسول صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اخبارات کے
مطابق گزشتہ سال ۱۳۱۹ھ/۱۹۹۸ء میں حکومت سعودیہ نے والدہ قدسیہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
قبر کے نشان کو مسمار کر دیا ہے۔

اس حدیث میں ایک اور علت بھی ہے، وہ یہ کہ یہ روایت صحیح البخاری میں مذکورہ حدیث کے مخالف ہے، اس لیے کہ صحیح البخاری میں ہے کہ یہ آیت مبارکہ مکہ مکرمہ میں جناب ابوطالب^(۸) کی وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے لیے استغفار کرنے کے بعد نازل ہوئی^(۹)۔

(۶) اس حدیث کا سب سے صحیح طریقہ وہ ہے، جس سے اسے الحاکم نے روایت کیا ہے اور اسے شیخین کی شرط پر [صحیح] قرار دیا ہے:

انه زار قبراه في الف مقنع فما
رای اکثر باکیا من ذالک الیوم
(۱۰)
حضرت بریدہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار زرہ پوش صحابہؓ کے ساتھ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، میں نے

۸۔ ابوطالب، بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاثار چچا، حضرت علیؓ کے والد محترم اور جناب عبدالمطلب کے فرزند تھے، انہوں نے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اپنے بچوں کی طرح کی، بلکہ وہ آپؐ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ چاہتے تھے۔ وہ اپنے گھر والوں کو اس وقت تک کھانا نہ کھلاتے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آجائے، انہوں نے اپنی وفات ۱۰ ن ۳۳ ق ھ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی اور ہر طرح معاونت فرمائی، مگر صحیح روایات کے مطابق انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا (ابن سعد ۱۰۱/۱-۱۰۲/۱)

۹۔ البخاری ۲۲۸/۳ (کتاب الجنائز، باب ۸۳: ما یکرہ من الصلاة علی المنافقین، حدیث ۱۳۶۶، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ توبہ)۔

۱۰۔ الحاکم: مستدرک ۷۰۵/۲ (کتاب التاریخ، زیارتہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اس دن سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اور اس حدیث کے ان الفاظ میں کوئی علت نہیں ہے اور یہ دوسری احادیث کی مخالف ہے اور نہ اس میں استغفار سے کوئی ممانعت ہے اور بعض اوقات رونا محض اس رقت کی بنا پر طاری ہو جاتا ہے جو اکثر قبروں کی زیارت کے موقع پر زیارت کرنے والوں پر عذاب یا گناہوں کے تصور کے بغیر طاری ہو جاتا ہے۔
(۷) اسی طرح وہ روایت ہے جو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں:

زار النبی صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپؐ قبرامہ فبکی وبکی حوله فقال استأذنت ربی [فی ان استغفر لہا] فلم یؤذن لی واستأذنتہ فی ان ازور قبرہا فاذن لی فزوروا القبور فانہا [تذکر کم] الموت (۱۱)

اجازت نہیں ملی، پھر میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت مل گئی، سو تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو، اس لیے کہ اس سے تمہیں موت یاد آئے گی۔

یہ روایت حضرت آمنہ کے مشرکہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی، اس لیے کہ ممکن ہے کہ یہ استغفار کرنا معاصی (گناہوں) کی بنا پر ہو اور اس وقت ایسے لوگوں کے لیے استغفار کی اجازت نہ ہو، جیسے کہ ابتدائی دنوں میں اس شخص پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ تھی جو مقروض ہوتا اور ادائیگی قرض کا ذریعہ چھوڑ کر نہ مرتا (۱۲)۔

(۸) ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے ابن شاپین نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور جسے حاکم نے مستدرک میں صحیح قرار دیا ہے اور اسے حضرت عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں :

عن ابن مسعود [رضی اللہ عنہ] قال جاء ابنا مليكة [وهما من الانصار] فقالا يا رسول الله انما كانت [تحفظ على البعل] وتكرم الضيف و آدت [اي دفنت] في الجاهلية فاین امنا فقال امكما في النار فقاما وقد شق ذلك عليهما فدعاهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجعا فقال امي مع امكما فقال منافق من الناس [الي] ما يغني هذا من امه [الا] ما يغني ابنا مليكة عن امهما [ونحن نطأ]

حضرت ملیکہ کے دو بیٹے [جو انصار سے تعلق رکھتے تھے] خدمت نبوی میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری والدہ [اپنے خاوند کے سامان کی حفاظت کرتی] اور مہمان کا احترام کرتی تھیں، وہ زمانہ جاہلیت میں فوت ہو گئی ہے، اب ہماری ماں کہاں ہے؟ فرمایا تمہاری ماں جہنم میں ہے۔ وہ دونوں یہ سن کر اٹھ گئے، مگر یہ بات انہیں بہت گراں گزری، جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے۔ لوگوں میں سے ایک

عقبہ [فقال شاب من الانصار] [كان اكثر سؤالا لرسول الله صلى الله عليه وسلم منه] [فقال رسول الله اراى ابواك فى النار] [فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم] [ماسألتهما ربى فيعطينى فيهما وانى لقائم [يومئذ] المقام المحمود ... (۱۳)]

منافق نے کہا کیا یہ (نبی) اپنی والدہ کی طرف سے اتنی بات کی ہی کفایت کر سکتا ہے جس کی یہ دونوں ملیکہ کے فرزند اپنی والدہ کی طرف سے کرتے ہیں [حالانکہ ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں]۔ ایک نوجوان انصاری نے [جونہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت سوالات پوچھتا تھا] عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے والدین جہنم میں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں مقام محمود پر کھڑا ہوں گا میں رب تعالیٰ سے ان کے متعلق جو مانگوں گا مجھے ملے گا۔

۱۳۔ الحاکم، مستدرک، ۲/۳۶۳۔ امام الحاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، مگر بخاری و مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی، اس کا راوی عثمان بن عیمر ابن الیقطان ہے؛ نیز دیکھیے ابن حنبل: مسند احمد، ۳/۱۷۷۔ اس حدیث کے بعض دوسرے طرق بھی قابل ذکر ہیں، مثال کے طور پر ایک دوسرا متن اسی طرح ہے، کہ ان دونوں نے کہا: ان امنا كانت تكرم الزوج و تعطف عليه الولد قال و ذكر الضيف غير انها كانت و آدت في الجاهلية قال امكما في النار فادبرا والشریری فی وجوهما فامر بهما فردا فرجعا والسرور یری فی وجوههم اراجیا ان یکون قد حدث شیء فقال امی مع امكما فقال رجل من المنافقین و ما یغنی هذا عن امه شیئا و نحن نطأ عقبیه فقال رجل من

میرا خیال ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کرنے سے قبل کا ہے۔

چنانچہ (۹) احمد بن حنبلؒ نے ابو مدین العقیلیؒ سے روایت کی ہے:

قال قلت يا رسول الله اين امي قال امك في النار فقلت فاین من مضى من اهلك قال اما ترضى ان تكون امك مع امي (۱۲)

کہتے ہیں کہ میں نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں کہاں ہے؟ فرمایا: تیری ماں جہنم میں ہے، میں نے کہا: پھر آپ کے گھر کے جو لوگ فوت ہو گئے ہیں وہ کہاں ہیں؟ فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تیری ماں میری ماں کے ساتھ ہے۔

(۱۰) بعض تفسیروں میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

الانصار ولم ار رجلا اكثر سوالاً يا رسول الله هل وعدك ربك فيها او فيهما قال فظن انه قد سمعه من شئ قد سمعه فقال ما سألتہ ربی وما اطعنی فیہ وانی لا قوم المقام المحمود يوم القيامة (مسند احمد ۲۱/۴) مگر لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے (ترجمہ حسب متن)۔

۱۲۔ مسند احمد ۲۸/۱۳، حدیث ۶۱۳۳، ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: قال قلت يا رسول الله اين امي قال امك في النار قال قلت فاین من مضى من اهلك قال اما ترضى ان تكون امك مع امي (اس کی سند صحیح ہے، نیز دیکھیے ابوداؤد الطیالسی، ص ۱۳۷، حدیث ۱۰۹۰، الطبرانی، الکبیر، ۲۸/۱۹، عدد ۴۷۱)۔

لیت شعری ما فعل بابوای فنزلت: اے کاش میں جانتا، کہ میرے والدین کا کیا حال ہے، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، ”اور آپ سے اہل جہنم کے متعلق نہ پوچھا جائے گا“۔

(۱۱) ایک اور حدیث وہ ہے جو مسلم اور ابوداؤد نے حماد بن سلمہ، عن ثابت عن انس کی روایت سے نقل کی ہے کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں، پھر جب

۱۵۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر میں اس پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے:

”الغوی نے لکھا ہے کہ عطاء نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ ”کاش مجھے علم ہو تا کہ میرے والدین کس حال میں ہیں“ تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

اور عبد الرزاق کہتے ہیں کہ مجھ سے (سفیان) الثوری نے موسیٰ بن عبیدہ سے، انہوں نے محمد بن کعب القوطی سے یہ روایت بیان کی ہے [.....]۔

اور ابن جریر (الطبری) نے ابن جریج سے، وہ کہتے ہیں کہ ان سے واند بن عاصم نے اسی طرح کی روایت کی ہے جو ان کے نزدیک پسندیدہ ہے اور نہ ہی قوی، ”اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو، تو بھی یہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا اپنا گمان ہے اور اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ فرمایا تھا کہ ”کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے والدین کا کیا حال ہے“ اور اس وقت یہ آیت افاقاً نازل ہو گئی، تو اس میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس جگہ ”اصحاب جہنم“ سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی والدین ہیں اور اگر اس بات کو بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو جب بھی یہ آیت ان کے کفر پر دلالت نہیں کرتی۔ اس لیے کہ بعض اوقات کوئی مومن بھی معاصی کی بنا پر ”اصحاب جہنم“ میں سے ہو سکتا ہے، تا آنکہ اسے کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت حاصل نہ ہو جائے یا پھر نوشتہ تقدیر اپنے انجام کو پہنچ جائے (مظہری، ۱۳/۱)۔

وہ منہ موڑ کر جانے لگا تو آپ نے اسے قریب بلایا اور فرمایا: ”بے شک میرا اور تیرا باپ جہنم میں ہیں“ (۱۶)

یہ حدیث ان احادیث میں سے ایک ہے جن کی روایت میں امام مسلم بخاری سے منفرد ہیں اور اس کے بعض راویوں پر جرح کی گئی ہے اور ثابت (۱۷)

اگرچہ ثقہ امام ہیں، لیکن ابن عدی نے ان کا ذکر اپنی کتاب الضعفاء میں کیا ہے اور حماد بن سلمہ بھی اگرچہ عابد و عالم بزرگ تھے، مگر ایک جماعت نے ان کی روایات پر تنقید کی ہے (۱۸) اور امام بخاریؒ کی صحیح بخاری میں ان سے کوئی حدیث تخریج

۱۶۔ مسلم ۱۹۱/۱ (کتاب الایمان) باب ۸۷، حدیث ۳۷۷۷ (۲۰۳) باب ۸۸، بیان انہ من مات علی الکفر..... روایت کے راوی حماد بن سلمہ بن دینار تابعی یا التیمی یا القرشی تھے جو ابوسلمہ کے مولیٰ تھے، وہ نمایاں علمائے تابعین میں سے تھے، وہ ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی وفات ۲۳۷ھ میں ہوئی۔ بقول الخرزجی (۷۸/۱) وہ امام ثقہ تھے۔

اس روایت میں پوچھنے والے شخص کی صراحت نہیں ہے، لیکن بعض دیگر روایات کی رو سے یہ وہی ابورزین العقیلی تھے، جن کا تذکرہ پیچھے آچکا ہے یا پھر حسین بن عبید والد عمران تھے؛ منذ احمد میں یہ روایت ابورزین سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ کے متعلق پوچھا تھا کہ وہ کہاں ہیں؛... (السہلی)۔

۱۷۔ ثابت السلم البانی، ابو محمد البصری وہ اپنے دور میں بصرہ کے نامور تابعین میں سے تھے، ابن المدینی کہتے ہیں کہ ان سے ۲۵۰ احادیث مروی ہیں، انہوں نے ۱۲۳ھ میں انتقال کیا (الاکمال، ص ۳۰۳؛ الخرزجی، ص ۴۸)۔

۱۸۔ وہ سلمہ بن دینار کے بیٹے تھے، ان کی کنیت ابوسلمہ الربعی ہے، یہ ربیعہ بن مالک کے آزاد کردہ اور حمید الطویل کے بھانجے تھے، بصرہ کے مشہور علما، وہاں کے مشہور ائمہ میں شمار ہوتا ہے، ان سے بہت سی احادیث مروی ہیں، انہوں نے ۱۶۷ھ میں انتقال کیا (الاکمال، ص ۳۱۳۔ تمام ائمہ کے نزدیک ثقہ بزرگ تھے (دیکھیے الخرزجی)۔

نہیں کی گئی۔ الذہبی فرماتے ہیں کہ حماد ثقہ ہے، مگر ان کے ”اوہام“ اور ان کی بہت سی ”مناکیر“ ہیں اور انہیں یاد نہیں رہتا تھا اور لوگ کہتے ہیں کہ ان کی کتابیں مٹ گئی تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن ابی العرجاء ان کے ربیب (کنار پروردہ) نے ان کی تحریروں کو مٹا دیا تھا (۱۹) اور ان کی منکر روایات میں سے وہ روایت ہے جو قبادہ نے عکرمہ عن ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ:

رأیت ربی جعدا امردا علیہ حلة ”میں نے اپنے پروردگار کو گھنگریالے خضرء بالوں والے نوجوان لڑکے کی صورت میں دیکھا کہ جسم پر سبز رنگ کی پوشاک تھی“

اور حضرت انسؓ کی حدیث میں متن کے اعتبار سے ایک اور بھی علت (ضعف) ہے، وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی بد کوئی بات پوچھتا اور اس کو صاف جواب دینے سے فتنے اور اس کے قلبی اضطراب کا اندیشہ ہوتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے تو یہ (۲۰) اور ایہام والا جواب دیتے تھے،

۱۹۔ مسالک الحففاء، ص ۲۳؛ السیوطی نے مزید لکھا ہے کہ ”حماد کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا اور حدیث بیان کرتے ہوئے انہیں وہم ہو جاتا تھا“ اسی لیے بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ مسلم نے ان کی فقط ثابت سے روایت کو لیا ہے (ص ۲۳)۔

۲۰۔ توریہ (Syllepsis)، علم بلاغت کی ایک اصطلاح ہے، جو علم بدیع کی ایک صفت پر دلالت کرتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس کے دو معنی ہوں ایک قریب کا اور دوسرا دور کا اور دور والا معنی قریبی معنی میں اس طرح مخفی ہو کہ سامع کے ذہن میں اس کا خیال نہ آئے، اسے ”ایہام“ بھی کہتے ہیں (مفتاح العلوم، ص ۱۸۰)۔

جیسے کہ اس حدیث میں ہے جو البخاری میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے قیامت کے متعلق پوچھا تو آپ نے حاضرین میں سے سب سے نو عمر شخص کی طرف دیکھا اور فرمایا: اگر اس شخص کی عمر طویل ہوئی تو اس کے مرنے سے قبل قیامت آجائے گی (۲۱)۔

علمائے کرام ”فرماتے ہیں کہ بدو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق بکثرت پوچھا کرتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے سے ”مجھے اس کا علم نہیں“ ان کے متعلق فتنے کا اندیشہ ہوا، کہ مبادا وہ نبوت میں شک کرنے لگیں، لہذا آپ نے اس کا جواب [توریت] کی صورت میں دیا اور اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ اگر یہ نوجوان اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ جائے تو اس کو اس وقت تک موت نہ آئے گی تا آنکہ سب حاضرین پر ان کی قیامت موت کی صورت میں نہ آجائے گی اور ان کے لیے قیامت کا قائم ہونا دراصل ان میں سے ہر ایک پر موت کا آنا ہے۔“

۲۱۔ منہ احمد ۱۶۷/۱۱، حدیث ۱۳۱۵۷، پوری حدیث اس طرح ہے: ان رجلا سال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم متى تقوم الساعة وعنده غلام من الانصار يقال له محمد فقال له رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان يعش هذا الغلام فعسى ان لا يدركه الهرم حتى تقوم الساعة، یعنی ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی، اس وقت آپ کے پاس محمد نامی انصار کا ایک لڑکا بیٹھا تھا، آپ نے فرمایا کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو اس کے بڑھاپے سے پہلے پہلے ممکن ہے کہ قیامت آجائے۔

دوسری روایت میں اس کی تفصیل ہے: عن انس رضي الله عنه ان اعرابيا سال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن قيام الساعة فقال له النبي صلی اللہ علیہ وسلم ما عدت لها قال لا اناي احب الله ورسوله قال المرء مع احب ثم قال اين السائل عن الساعة قال وثم غلام فقال ان يعش هذا فلن يبلغ الهرم حتى تقوم الساعة..... (منہ ۱۲۰/۱۱، حدیث ۱۳۱۵۷)۔

(۱۲) جب آپ نے یہ بات سمجھ لی تو مسلم کی مذکورہ روایت کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ مسلم کے راویوں میں سے جن حضرات نے ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ ”میرا اور تیرا باپ جہنم میں ہے“ انہوں نے اسے بالمعنی طریقے سے روایت کیا ہے اور اصل قصہ وہ ہے جو ابوہریرہ نے اپنی مسند میں اور الطبرانی نے مسند الکبیر میں ایسی سند سے جو صحیح کے رجال میں سے ہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ ایک بدو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔ اس نے کہا: تمہارا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: ”تو جہاں بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے جہنم کی بشارت (وعید) سنا دے“ (۲۲)۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس بارے میں صراحت ہے کہ سائل ایک بدو تھا، جس کے بارے میں فتنے (ارتداد) کا گمان تھا۔ ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین اور بدو کے والدین کے انجام کے اختلاف کے بارے میں دو ٹوک جواب کو بدو کے ارتداد کا اندیشہ ہونے کی بنا پر ناپسند فرمایا ہو، لہذا اس جواب سے دونوں کے ایک مقام ہونے کا اسے تاثر دیا۔ اسی لیے بعض حفاظ حدیث کہتے ہیں کہ اگر حدیث کو ساٹھ وجوہ سے نہ لکھا جائے تو ہم اسے نہ سمجھ سکیں گے اور صحیح میں بہت سی احادیث اسی پنج پر وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر مسلم (شریف) میں ایک روایت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کی ممانعت کے بارے میں ہے (۲۳)، مگر امام شافعی نے اس

۲۲۔ السیوطی، مسالک، ص ۲۳، بحوالہ الطبرانی، مسند الکبیر اور لکھا ہے کہ وہ اعرابی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

۲۳۔ دیکھیے حاشیہ (۲۲)۔

حدیث کی اسی طرح تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ جو بات دوسرے طرق سے ثابت ہے وہ صحابہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ کی سماعت کی نفی ہے (۲۴)

جس سے راوی نے اس کے پڑھنے کی نفی سمجھ لی لہذا انہوں نے اسے اپنی سمجھ کے مطابق بالمعنی طریقے پر روایت کر دیا، مگر انہوں نے سمجھنے میں خطا کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہی حکم اس حدیث کا ہے جس میں مذکور ہے کہ ”میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے۔“ اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس سے مراد دونوں کی عالم برزخ میں معیت ہو۔

علاوہ ازیں کسی شخص کا جہنم اور اصحاب جہنم میں سے ہونا اس کے کافر ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ بعض اوقات ایسا کسی معصیت (گناہ) کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے، تا آنکہ شفاعت یا کسی اور بنا پر اسے مغفرت خداوندی حاصل نہ ہو جائے یا پھر سزا کا مقررہ زمانہ پورا ہو جائے جبکہ آیت مبارکہ:

۲۴۔ مسلم ۲۹۹۱، کتاب الصلاة، باب ۱۳، حدیث ۳۹۹: حجة من قال لا يحجر بالبسملة، حدیث اس طرح ہے:

صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابى بكر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منهم يقرأ بسم الله الرحمن الرحيم فكانوا يفتحون بالحمد لله رب العلمين لا يذكرون بسم الله الرحمن الرحيم في اول قراءة و لافى آخرها.

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، میں نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم یا آواز بلند پڑھتے نہیں سنا، یہ لوگ نماز کی ابتداء الحمد لله رب العلمین سے کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ تو شروع میں پڑھتے اور نہ آخر میں۔

مگر امام شافعیؒ اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ (۲۵)

پیغمبرؐ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے بخشش مانگیں۔

کے اس موقع پر نزول کا قصہ محض راوی کا وہم ہے اور صحیح قول وہ ہے جو البخاری میں ہے کہ مذکورہ آیت جناب ابوطالب کی وفات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے لیے استغفار کرنے کے موقع پر نازل ہوئی (۲۶)۔

۲۵۔ التوبة (۱۱۳/۹)۔

۲۶۔ البخاری ۳۸۱۸، کتاب التفسير، باب تفسير ۱۰، التوبة، باب ۱۶، پوری روایت اس طرح ہے:

حضرت ابا طالب الوفاة فدخل عليه النبي صلى الله عليه وسلم و عنده ابو جهل و عبد الله بن ابي امية فقال النبي صلى الله عليه وسلم اى عم قل لا اله الا الله احاج لك بها عند الله فقال ابو جهل و عبد الله بن ابي امية يا ابا طالب اترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا ستغفرون لك ما لم انه عنك فنزلت ما كان للنبي الى آخره.

حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے، وہ اپنے والد مسیب سے نقل کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے، اس وقت ان کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ بیٹھے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چچا جان! لا، لہ الا اللہ پڑھ لیں تاکہ میں اس کی بنا پر آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں جھگڑا کروں، ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ نے کہا، اے ابوطالب کیا تو عبد المطلب کے دین سے انحراف کرے گا؟

[اس کے بعد....] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا، تا آنکہ مجھے اس سے روک نہ دیا جائے، اس پر یہ آیت ماکان للنبي ﷺ

اس تفصیلی مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی بھی حدیث ہمارے ”موقف“ کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ان روایات سے تو الٹا ہمارے موقف پر دلالت ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی وفات پر بہت زیادہ غمگین اور افسردہ تھے۔ یہاں تک کہ آپ خود بھی روئے اور آپ نے اپنے آس پاس کے لوگوں کو بھی رلا دیا اور فرمایا کہ ”مجھ پر وہ حالت طاری ہو گئی جو بیٹے کو اپنی والدہ کے بارے میں طاری ہو جاتی ہے“ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد مبارک کہ:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ
(۲۷)

راضی ہو جائیں گے

کے ذریعے آپ کو خوش کرنے کا وعدہ کیا ہے، چنانچہ عقل سلیم کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تحویل قبلہ کے لیے آسمان کی طرف بار بار اٹھتا ہوا دیکھا تو ارشاد فرمایا:

قَوْلٍ وَ جِهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ
(۲۸)

سو تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے

آخر تک نازل ہوئی۔

دنیاے اسلام کے پہلے عظیم مفسر قرآن امام ابو جعفر الطبرسی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے والدین پر غم و گریہ کی بنا پر بدرجہ اولیٰ آپ کو ان کے لیے بخشش طلب کرنے کی اجازت مل جائے گی اور آپ کی قلبی خوشنودی کے لیے والدین کی مغفرت کر دی جائے گی، جیسا کہ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث شاہد ہے جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

ما سالتہما ربی فیعطینی ربی
و انی لقیائم مقام المحمود
میں اپنے رب سے اس وقت جب
میں مقام محمود پر فائز ہوں گا، جو کچھ
ماگوں گا وہ مجھے عطا کرے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

تبعث فی الحل والحرام تبعث بالتحقیق والاسلام

دین ایتک . ابراہام فاللہ انہاک عن الاصنام

ان لا تو الیہا مع الاقوام (۴)

(اے لڑکے تجھے خدا برکت دے، اے اس شخص کے بیٹے جو شریف خاندان سے ہے، جو منعم بادشاہ کی مدد سے نجات پاگیا، میری (اس سے) محبت اسی دن سے ہے، جب ایک سوچنے والے اونٹوں سے اس کا قرعہ ڈالا جا رہا تھا۔ جو خواب میں نے دیکھا ہے، اگر وہ سچ ہے تو (اے میرے بیٹے) تو پروردگار صاحب جلال و اکرام کی طرف سے، علاقہ حل اور علاقہ حرم میں لوگوں کی طرف مبعوث ہوگا، تجھے تحقیق و اسلام کے ساتھ بھیجا جائے گا، یعنی نیکی والے دین، دین ابراہیم کے ساتھ، اللہ تعالیٰ پروردگار نے تجھے بتوں کی پوجا سے روکا ہے، اور اس بات سے کہ کہ تو دوسری قوموں سے دوستی لگائے گا۔“

پھر کہا ”ہر زندہ شخص مرنے والا ہے اور ہر شے بوسیدہ ہو رہی ہے اور ہر کثیر شے مرنے والی اور یاد رکھی جانے والی ہے، میں نے بھلائی کا سرچشمہ (یادگار) چھوڑا ہے اور پاک اولاد پیدا کی ہے۔“

پھر ان کا انتقال ہو گیا تو ہم لوگ جنات کا ان پر نوحہ بنا کرتے تھے جس میں سے ہمیں یہ یاد رہ گیا ہے:

تبیکی الفتاة البرة الامینة ذات الجمال والعفة الرزینہ

زوجة عبد الله والقرینہ ام نبی اللہ ذی السکینہ

وصاحب المنبر بالمدينة صارت لدى حفرتهارہینہ (۵)

(ہم نوجوان، نیک، امانت دار، صاحب جمال اور پاک دامن خاتون پر، جو جناب عبد اللہ کی بیوی اور ان کی رفیقہ حیات ہیں، روتے ہیں، وہ صاحب سکینہ اور اللہ کے نبی کی ماں ہیں، وہ مدینہ منورہ میں منبر والے ہیں، وہ گڑھے میں مکین ہو گئی ہیں)۔

(الغرض) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا یہ قول اس بارے میں صریح ہے کہ وہ موحّد تھیں، اس لیے کہ انہوں نے (ان اشعار میں) دین ابراہیمی، اللہ صاحب جلال و اکرام کی جانب سے ان کے بیٹے کی اسلام کے ساتھ بعثت اور بتوں کی پوجا سے ممانعت کا ذکر کیا ہے، لہذا وہ زید بن عمرو بن نفیل، قس بن ساعدہ و رقبہ بن نوفل اور ان جیسے دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح ہوں گی، جو دین حنفی کے حامل تھے۔

ان لوگوں کے دین حنفی اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اہل کتاب اور کافروں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے کا قریب آنا سن

۵۔ مسالک، ص ۱۹۔ اس نوع کی اکثر روایات ضعیف، بلکہ موضوع ہیں، حضرت آمنہ سے اس بارے میں کوئی بھی مستند روایت متقول نہیں ہے۔ رہا بتوں کا مرثیہ؟ تو اس کا سننا دور روایت کرنا دونوں ہی مشکوک ہیں۔ اس نوع کی روایات لوگوں کی طرف سے ان بزرگوں کے محقق ائمہ عقیدت کا مظہر ہیں، حالانکہ ان بزرگوں کا جو مقام ہے، وہ اس نوع کی روایات کا قطعاً محتاج نہیں ہے

رکھا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے تو باقی لوگوں سے زیادہ کچھ سنا تھا اور زمانہ حمل و ولادت میں کھلی نشانیوں کی صورت میں وہ کچھ دیکھ رکھا تھا جس نے انہیں دین حنیفی کا قائل کر دیا تھا۔ انہوں نے (وضع حمل کے وقت) اپنی ذات سے ایک ایسا نور نکلتا ہوا دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے^(۶)۔ حتیٰ کہ انہوں نے ان محلات کو بالکل اسی طرح دیکھا تھا جیسے کہ مائیں اپنے بچوں کو دیکھتی ہیں اور حضرت حلیمہؓ نے جب وہ انہیں ان کے پاس لیکر آئی تھیں اور آپ کا شق صدر ہو گیا تھا یہ کہا تھا آپ پر شیاطین کا کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے وہ تو آئندہ ہونے والے نبی ہیں“ (۷)۔

احمد، التزار، الطبرانی، الحاکم اور البیہقی نے حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بے شک میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین تھا جبکہ ابھی آدم

اپنی مٹی میں گندے ہوئے تھے اور میں تمہیں بتاتا ہوں میں

ابراہیمؑ کی دعا، عیسیٰؑ کی بشارت اور میری ماں کا وہ خواب

۶۔ ابن سعد ۱: ۸۳۔

۷۔ ابن ہشام ۱: ۱۶۳-۱۶۴، مطبوعہ بیروت، طبع القاء۔ یہاں ابن ہشام کی عبارت نقل کرنے میں قاضی صاحب سے تسامع ہوا ہے، قاضی صاحب نے اس قول کی نسبت حضرت حلیمہ سعدیہ کی طرف کی ہے، جبکہ ابن ہشام میں ان الفاظ کا قائل حضرت آمنہ کو قرار دیا گیا ہے، جنہوں نے یہ بات حلیمہ سعدیہ کو بتلائی تھی، عبارت یہ ہے: کلا واللہ ماللشیطن علیہ من سبیل (۱۶۵/۱) البتہ آخری جملہ ”آپ نبی ہوں گے“ وہاں موجود نہیں ہے۔

ہوں جو انہوں نے دیکھا تھا“ (۸)۔

(۲) مسلک دوم:

ان میں سے کچھ لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، ابن شاہین کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن الحسن بن زیاد انصار کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ انہیں احمد بن یحییٰ الحضرمی نے مکہ میں بتایا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو بکر عزوبہ بن محمد بن یحییٰ الزہری نے بیان کیا، ان سے عبد الوہاب بن موسیٰ الزہری نے، ان سے عبد الرحمن بن ابی الزناد نے بیان کیا،

۸۔ اس واقعے کا تذکرہ تمام کتب حدیث میں ملتا ہے مثال کے طور پر حضرت اسحاق بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ نے فرمایا تھا:

لما ولدته خرج منی نور اضاء له قصور الشام (ابن سعد، مطبوعہ لجنة نشر الثقافة الاسلامیہ ۱/ ۸۳) جب میرے ماں باپ کی ولادت ہوئی، تو میرے جسم سے ایسی روشنی نکلی، جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

اسی طرح حضرت ابوالجہاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

رأت امی حین وضعتنی سطح منها نور اضاءت له قصور بصری (ایضاً ۱/ ۸۳) ایسا نور دیکھا جس سے بصری (شام) کے محلات روشن ہو گئے۔

حضرت ابوامامہ الباہلی نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

رأت امی کانه خرج منها نور اضات منه قصور الشام (ایضاً ۱/ ۸۳) ایسی روشنی نکلی ہے، جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

ان سے ہشام بن عروہ نے، ان سے ان کے والد نے اور ان سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان کیا:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نزل الی الحجون کثیباً حزیناً فاقام بہ ماشاء ربہ عزو جل ثم رجع مسروراً فقلت یارسول اللہ نزلت بالحجون کثیباً حزیناً فاقمت بہ ما شاء اللہ ثم رجعت مسروراً قال سألت ربی عزوجل فاحیی لی امی فامنت (۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھیں بہت پریشانی اور غمگینی کی حالت میں اترے، پھر جتنی دیر اللہ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے رہے۔ بعد ازاں وہاں سے خوش و خرم واپس لوٹے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کون میں بڑے غمزدہ اور پریشان ہو کر گئے تھے اور وہاں جتنی دیر اللہ نے چاہا آپ ٹھہرے، پھر آپ خوش و خرم ہو کر واپس آئے ہیں۔ فرمایا: میں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی، چنانچہ اس نے میرے لیے میری والدہ کو زندہ کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سابقہ حالت پر لوٹا دیا۔

۹۔ البیہقی ۸۰:۱، باب ذکر مولد المصطفیٰ وآلات التي ظهرت عند ولادته وقبلها وبعدھا: احمد بن حنبل ۱۲۷-۱۲۸ (حدیث ۸۵۰۸۵-۱۷۰۸۶)؛ الحاکم، مستدرک، ۶۰۰/۲، وقال حدیث صحیح الاسناد، وقره الذہبی ۱: ۲۲۳، مجمع الزوائد ۸/۲۲۳.

حافظ محبت اللہ بن احمد بن عبد اللہ المکی الطبری اپنی کتاب السیرۃ میں فرماتے ہیں:

”ہم سے ابو الحسن المعمر نے، ان سے الحافظ ابو الفضل محمد بن علی بن عبد الرزاق، الحافظ الزاہد نے، ان سے العاصی ابو بکر محمد بن احمر نے، ان سے ابو عزوبہ محمد بن یحییٰ الزہری نے، ان سے عبد الوہاب بن موسیٰ الزہری نے، ان سے عبد الرحمان بن ابی بردہ نے، ان سے ہشام نے، ان سے ان کے والد نے اور ان سے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے یہی روایت نقل کی“ (۱۰)۔

اور الحافظ ابو بکر الخطیب اپنی کتاب السابق واللاحق میں فرماتے ہیں کہ ابو الفداء الواسطی نے ان سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے الحسین بن علی بن محمد الکلمی نے بیان کیا ان سے ابوطالب عمر بن الربیع الزاہدی نے بیان کیا، ان سے علی بن ایوب الکعبی نے بیان کیا، ان سے محمد بن یحییٰ الزہری ابو عزوبہ نے، ان سے عبد الوہاب بن موسیٰ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے مالک بن انس نے ابو الزناد سے، ان سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے، ان سے ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بیان کیا، فرماتی ہیں:

حج بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجة الوداع فمر ہمارے ساتھ حجة الوداع کیا، پھر [قبرامہ] (۱۱) وهو بأك حزین (۱۲) تھیں میں اپنی والدہ کی قبر کے پاس

۱۰۔ دیکھیے السیسی ۱۸۵/۲.

۱۱۔ اصل میں ”فمر بی علی عقبہ الحجون“ ہے، جو کہ تسارع ہے، تصحیح از السیسی..... یہی غلطی مساک (ص ۲۷) میں بھی ہے.

۱۲۔ مساک، ص ۲۷.

سے گزرے، اس وقت آپؐ رو رہے تھے اور انتہائی غمگین تھے، پھر انہوں نے باقی کی روایت بیان کی۔

فرماتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

قد ذہبت بقبر امی فسألت الله ان يجيها فامنت بي وردها الله (۱۳)

میں اپنی والدہ کی قبر کے پاس گیا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہیں زندہ کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرما دیا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ نے انہیں واپس لوٹا دیا۔

۱۳۔ یہاں قاضی صاحبؒ نے روایت کا درمیانہ حصہ حذف کر دیا ہے، لہٰذا

میں پورا قصہ یوں روایت کیا گیا ہے:

فبکیت لبکائہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم انه نزل فقال يا حميراء استمسکی فاستندت الی جنب البعیر فمکث عنی طویلا ملیا ثم انه عاد الیّ وهو فرح مبسم فقلت له بابی انت وامی یارسول اللہ نزلت من عندی وانت باک حزين مغتم فبکیت لبکائک ثم عدت الیّ وانت فرح مبسم فعم ذایارسول اللہ (۱۸۲/۱)۔

تو میں بھی آغوشِ رسولِ اللہ علیہ وسلم کے رونے کی بنا پر رو دی۔ پھر آپؐ اپنے اونٹ سے اترے اور کہا اے حمیراء! ذرا ٹھہرو۔ اس پر میں نے اونٹ کے پہلو سے ٹیک لگالی۔ آپؐ کچھ دیر مجھ سے عتاب رہے، پھر تشریف لائے تو بہت خوش تھے اور مسکرا رہے تھے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، آپؐ جب میرے پاس سے اتر کر گئے تھے، تو اس وقت آپؐ رو رہے تھے، غمگین اور پریشان

اسے الدار قطنیؒ اور ابن عساکر نے غرائب مالک میں تخریج کیا ہے اور الدار قطنیؒ نے کہا ہے کہ یہ (حدیث) باطل ہے، ابن عساکر نے اسے منکر قرار دیا ہے اور ابن الجوزیؒ نے اسے الموضوعات میں شامل کیا ہے، مگر اس کے ”رجال“ پر گفتگو نہیں کی (۱۴)۔

یہ حدیث دو طریقوں سے مروی ہے ایک طریقہ یہ ہے کہ عن مالک عن ابی الزناد عن ہشام اور عن عبدالرحمان بن زیاد عن ہشام۔

[نامور محدث] السہیلیؒ اپنی کتاب الروض الانف میں لکھتے ہیں کہ:

”ایک حدیث روایت کی جاتی ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح ہو، میں نے اسے اپنے دادا ابو عمر [ان] احمد بن الحسن القاضی [رحمہ اللہ] کی ایسی سند سے لکھا ہوا پایا ہے جس میں کئی راوی مجہول ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ انہوں نے اسے ایسی کتاب سے نقل کیا ہے جو [معوذ] (۱۵) بن داؤد بن [معوذ] (۱۶) الزاہد کی لکھی ہوئی

تھے اور میں بھی آپؐ کو دیکھ کر رو دی تھی، جب آپؐ واپس آئے تو آپؐ خوش ہیں اور مسکرا رہے ہیں، یہ کیسے ہوا، یارسول اللہ (اگلا حصہ متن میں آ رہا ہے)۔

۱۴۔ اس حدیث کے متعلق علامہ السیوطیؒ نے لکھا ہے کہ یہ باتفاق محدثین کمزور بلکہ موضوع ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے اور میں نے اس کی تفصیل پر مشتمل ایک مکمل جزو لکھا ہے (مسالک، ص ۲۷)۔

۱۵۔ اصل میں معوذ ہے، تصحیح از السہیلی، ۱۸۷/۲۔

۱۶۔ [اضافہ] از السہیلی، ۱۸۷/۲۔

ابو الفضل بن حجر اپنی کتاب لسان المیزان میں ابن الجوزی کا (مذکورہ) کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ محمد بن یحییٰ مجہول نہ تھا بلکہ وہ تو معروف ہے، ان کا حال ابو سعید بن یونس کی تاریخ مصر میں موجود ہے اور لکھا ہے:

محمد بن یحییٰ بن محمد بن عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمان بن عوف ابو عبداللہ لقب ابو عزوبہ مدنی، مصر میں قدیم زمانے میں آئے، ان کی دو کنیتیں ہیں، ان سے اسحاق بن ابراہیم الکناس اور زکریا بن یحییٰ البغوی اور سہل بن سوارہ القافعی محمد بن فیروز اور محمد بن عبداللہ بن حکیم نے روایت کی ہے (۲۳)۔

لیکن الدار قطنی نے لکھا ہے کہ:

یہ ابو عزوبہ الصغیر منکر الحدیث ہے اور محدثین لکھتے ہیں کہ اگر ابو عزوبہ اس حدیث کی روایت میں منفرد نہ ہوتا تو ہم اس حدیث کے ”حسن“ ہونے کا فیصلہ دیتے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے ”رہا اس کا استاد (شیخ) عبد الوہاب بن موسیٰ تو الدار قطنی نے اسے دو جگہ ثقہ قرار دیا ہے، مگر تیسرے مقام پر لکھا ہے کہ اس میں مضائقہ نہیں (لیس بہ باس) اور حافظ ابن حجر نے اس کی تائید کی ہے اور کسی قسم کی جرح نہیں کی۔

رہے وہ راوی جو امام مالک اور ان سے اوپر ہیں تو ان کی جلالت و بزرگی کے باعث ان کے بارے میں پوچھا نہیں جاسکتا۔

اس طرح ”رواۃ حدیث“ کے تذکرہ سے یہ معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے، جس پر ”وضع حدیث“ کا حکم لگایا جاسکے اور جن لوگوں

نے اسے موضوع قرار دیا ہے، انہوں نے کسی اور وجہ سے ایسا کہا ہے۔ القرطبی فرماتے ہیں کہ الحافظ ابو الخطاب عمر بن دحیہ نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے قبول ایمان والی حدیث موضوع ہے۔ اس لیے کہ اس کی قرآن اور اجماع سے تردید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا الَّذِينَ يُمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ (ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگی) جو لوگ جو حالت کفر میں مر جائیں (۲۴)

نیز فرمایا:

فَيَمُتُ وَهُوَ كَافِرٌ (۲۵) پھر وہ مر جائے، اس حال میں کہ وہ کافر ہو۔

لہذا جو شخص حالت کفر میں مر جائے، تو اس کے زندہ ہونے کے بعد اس کا ایمان لانا اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہو سکتا، بلکہ اگر وہ جان کنی کے وقت بھی ایمان لے آئے، تب بھی اس کا ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا، چہ جائیکہ وہ دوبارہ اٹھنے کے بعد ایمان لائے۔ القرطبی لکھتے ہیں کہ ابن دحیہ کا قول محل نظر ہے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب ان گنت ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا، تو انہیں ایمان لانے سے

کوئی بات مانع ہو سکتی ہے (۲۶) حالانکہ آپ کا مقام تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو ڈوبنے کے بعد لوٹایا۔ یہاں تک کہ آپ نے عصر کی نماز ادا کی، جیسا کہ امام الطحاوی نے لکھا ہے (۲۷) اور کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ سو اگر سورج کالوٹنا فائدہ مند نہ ہوتا اور اس سے گیا ہو اوقت دوبارہ حاصل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اسے واپس کیوں لوٹاتے؟ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ ہونے کا مسئلہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے باوجود عذاب میں مبتلا کرنے کے حضرت یونس کی قوم کی توبہ قبول فرمائی، جیسا کہ وہ ایک قول اور ظاہر قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے:

إِلَّا قَوْمٌ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ (اس لیے کہ) جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیوی زندگی میں رسوائی والا الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ (۲۸)

عذاب ان سے دور کر دیا اور ہم نے انہیں ایک زمانے تک فائدہ دیا۔

امام السیوطیؒ فرماتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ اصحاب کھف آخری زمانے میں زندہ کیے جائیں گے، حج کریں گے اور اس امت میں شمار کیے جائیں گے۔ یہ بات ان کے اعزاز و اکرام کے لیے ہوگی۔

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ اصحاب کھف حضرت مہدیؑ کے معاون ہوں گے۔ اس قول کو ابن مردویہ (۲۹) نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

۲۶۔ السیوطی: مسالک، ص ۲۶۔

۲۷۔ الدر المنثور، تفسیر سورہ ص۔

۲۸۔ یونس (۹۸/۱۰)۔

۲۹۔ پوری روایت اس طرح ہے: عن ابن مردویہ عن ابن عباس قال رسول اللہ صلی

اس طرح اصحاب کھف کی موت کے بعد ان کی زندگی کا، ان کے اعزاز و اکرام کی بنا پر اعتبار کیا جاتا ہے، تو اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی زندگی کا بھی اعتبار کیا جائے گا اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی ایک عمر لکھی تھی، لیکن ان کی مقررہ عمر کے پورا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی جان قبض کر لی گئی اور بعد ازاں انہیں ان کی رہی ہوئی عمر کا مختصر سا حصہ مکمل کرنے کے لیے دوبارہ زندہ کیا۔ جس میں وہ آپ پر ایمان لائے، لہذا یہ ایمان قابل اعتبار ہو گا اور ایسا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کے لیے کیا گیا۔ اس طرح ان لوگوں کا قول راجح قرار پاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ”موضوع“ نہیں ہے، حافظ شمس الدین بن ناصر الدین محدث دمشق نے جو متاخرین میں سے تھے نے اس حدیث کو اپنی کتاب مورد الصافی فی مولد الہادی (۳۰) میں الخطیب کے طریقے سے روایت کیا ہے اور اس کے بعد یہ شعر لکھا ہے:

حبا لله النبي مزید فضل علی فضل وکان به رؤفا

اللہ علیہ وسلم اصحاب الکھف اعوان المہدی.... (الدر المنثور، ۳۷۰/۵)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب کھف حضرت امام مہدی کے مددگار ہوں گے۔

۳۰۔ کتاب المور والصابی فی مولد الہادی شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی (م ۸۴۲ھ/۱۳۴۸ء) کی تصنیف ہے (حاجی خلیفہ: کشف الظنون، مطبوعہ استانبول، ۱۹۰۱/۲)۔ غالباً یہ کتاب علامہ السیوطی کے زیر مطالعہ رہی ہے (مسالک، ص ۲۸)۔ قاضی صاحب نے انہی کے حوالے سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

فاحیا امہ و کذا اباه (۳۱) لایمان بہ فضلا لطیفا

فسلم فالقدیر بذاقدیر وان کان الحدیث بہ ضعیفا (۳۲)

(یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک اور فضل یہ کیا اور وہ آپ پر بے حد مہربان ہے کہ اس نے آپ کی والدہ اور والد کو آپ پر ایمان لانے کے لیے زندہ کیا، یہ بہت لطیف فضل ہے، لہذا اسے مان لیجئے۔ اس لیے کہ قدرت والا اس پر قادر ہے، گو اس بارے میں روایت کمزور ہے)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو ”زندہ کرنے“ کے بیان پر مشتمل حدیث ابو عزوبہ کی بنا پر ضعیف ہے، مگر منکر نہیں ہے، اس لیے کہ جن لوگوں نے اسے منکر کہا ہے، انہوں نے اس خیال سے اسے منکر کہا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی والدہ کی قبر کی زیارت والی حدیث میں ان کے لیے استغفار سے ممانعت مذکور ہے، جو کہ صحیح ہے، اس لیے کہ منکر حدیث وہ ہوتی ہے جو ایسی ضعیف حدیث ہو جو صحیح حدیث کی مخالف ہو۔

پھر جب آپ کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لیے جانے والی حدیث بھی ضعیف ہے تو یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو دوبارہ زندہ کرنے کے بیان پر مشتمل حدیث منکر ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ زیارت والی حدیث منسوخ ہے اور [والدین کے] احیاء (زندہ کرنے کے ذکر پر مشتمل) حدیث ناخ ہے، اس

۳۱۔ السیوطی (ص ۲۷) نے ”ابوہ“ لکھا ہے، جو تسامع ہے۔

۳۲۔ مسالک، ص ۲۸۔

لیے کہ یہ حجتہ الوداع کا قصہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ استغفار سے آپ کو روکنے والا حکم منسوخ ہو گیا ہے، لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے لیے استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کیا، پھر وہ آپ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی، یہ دونوں جماعتوں کے اقوال کا خلاصہ ہے۔ (۳۳) مسلک سوم:

بعض علمائے کرام کا مسلک یہ ہے کہ وہ دونوں توحید اور ملت حنیفیہ پر تھے اور کچھ علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجے میں زندہ کیا۔ پھر وہ آپ پر ایمان لائے اور پھر وہ فوت ہو گئے۔ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں اقوال کو جمع کرنا ممکن ہے اور یہی صورت میرے نزدیک پسندیدہ ہے اور اسی صورت میں ان کے زندہ ہونے میں فائدہ ہو گا۔

وہ اس طرح کہ اگرچہ آپ کے والدین دونوں توحید اور ملت حنیفیہ پر تھے، لیکن چونکہ یہ زمانہ انقطاع نبوت اور جاہلیت کا تھا، لہذا ان کا ایمان محض مجبوری کے عالم میں لایا ہوا ایمان تھا اور فقط عقیدہ توحید پر مشتمل تھا اور ان کے پاس ان کے صاحبزادے خاتم المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کی خبر اہل کتاب اور کاہنوں وغیرہ کے ذریعے پہنچی تھی، پھر ممکن ہے کہ وہ عالم برزخ میں اپنی بعض کوتاہیوں کے باعث ابھی جنت میں داخلے سے محروم ہوں، پھر ابتداء اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کی اجازت عطا نہیں کی [یہ حکم ایسے ہی ہے] جیسے کے ابتدائی زمانہ اسلام میں ان لوگوں پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ تھی، جن پر قرض ہوتا تھا اور وہ اس کی ادائیگی کا سامان چھوڑ کر نہ جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کیا اور آپ کو ان کے

لیے استغفار کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی چنانچہ آپ نے ان کے لیے استغفار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی بخشش فرمادی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجے کے طور پر فضائل حاصل کر لیے۔ [مزید براں حق تعالیٰ نے] ان کی تعظیم کے لیے انہیں زندہ کر دیا اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری شریعت پر ایمان لے آئے اور انہوں نے ایمان کے مدارج اور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت کا شرف حاصل کر لیا، لہذا ان کی مثال اصحاب کہف جیسی ہے، کہ وہ اپنی پہلی زندگی میں اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لے آئے تھے، مگر پھر اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ وہ اس درمیانی اور بہترین امت میں سے ہونے کا اعزاز حاصل کر لیں اور باقی لوگوں پر گواہ بنیں۔

یہ بات تمام احادیث کو جمع کرنے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ صحیح احادیث تصدیق کے لیے ضروری ہے اور ہم شروع حصے میں یہ ایسی احادیث نقل کر آئے ہیں، مثلاً یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا خیر کم نفساً و خیر کم
اباً (۳۳)

”میں تم سب سے ذات اور والدین وغیرہ کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں“

یا اسی طرح کی دیگر احادیث۔

علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ:

”مجھ سے ابوالحسن یحییٰ بن الحسین اسماعیل العلوی نے یہ حدیث بیان کی، وہ

کہتے ہیں کہ ہم سے ابو عبد اللہ محمد بن علی بن الحسین الحسنی نے یہ حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے زید بن حاجب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عمار الطار نے، ان سے علی بن محمد بن موسیٰ نے، ان سے محمد بن ہارون العلوی نے، ان سے محمد بن علی بن علی بن حمزہ العباس نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میری والدہ نے بیان کیا، وہ کہتی ہیں کہ ہم سے علی بن موسیٰ بن جعفر نے بیان کیا ہے، کہ ہم سے میرے والد نے بیان کیا، انہوں نے جعفر بن محمد بن جعفر سے، انہوں نے اپنے والد علی بن الحسین سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت علیؑ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هبط جبریل علی فقال ان الله
يقربك السلام يقول انی حرمت
النار علی صلب انزلک و بطن
حملك و حجر کفلك (۳۴)

جبریل علیہ السلام مجھ پر اترے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے ان پشتوں پر جہنم کی آگ حرام کر دی ہے، جنہوں نے آپ کو اتارا ہے اور ان شکموں پر جنہوں نے آپ کو اٹھایا اور ان گودوں پر جنہوں نے آپ کی پرورش کی ہے۔

یہاں الصلب سے مراد تو جناب ”عبد اللہ“ ہیں اور ”شکم“ سے مراد بی بی آمنہ ہیں اور گود سے مراد ان کے چچا ابو طالب اور فاطمہ بنت اسد ہیں۔ ابن الجوزی

کہتے ہیں اس کی سند ویسی ہے جیسی تم دیکھ رہے ہو اور ابوالحسین العلوی ایک غالی رافضی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ [حضرت] فاطمہ بنت اسد [آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم] پر ایمان لائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف صحابیت حاصل کیا اور ہجرت کی، رضی اللہ عنہا۔ رہے ابوطالب تو ان کے کفر میں کوئی شک نہیں، لیکن ابن سعد نے الطبقات میں لکھا ہے کہ ہم سے عقیان بن مسلم بن (۳۵) حماد بن مسلمہ نے، ان سے ثابت نے، ان سے اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث نے بیان کیا، کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ابو طالب کے لیے رحمت کی امید رکھتے ہیں؟ فرمایا: میں اپنے رب تعالیٰ سے ہر ایک بھلائی کی امید رکھتا ہوں (۳۶)

واللہ واعلم

☆☆☆☆☆☆☆☆

۳۵۔ یہاں سند نقل کرنے میں سہو ہوا ہے، قاضی صاحبؒ نے جو سند نقل کی ہے، وہ اس طرح ہے:

اخبرنا عقیان بن مسلم بن حماد بن سلمہ عن ثابت

جبکہ طبقات ابن سعد میں ہے:

اخبرنا عقیان بن مسلم بن حماد بن حماد بن سلمہ عن ثابت

(ابن سعد، ۱/۱۲۴)

۳۶۔ ابن سعد: طبقات، ۱/۱۲۴

اختتامیہ

فوائد

فائدہ [۱] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم جناب عبد اللہ کے متعلق الحافظ صلاح الدین فرماتے ہیں کہ وہ صرف اٹھارہ برس کی عمر تک حیات رہے اور آپ کی والدہ تقریباً بیس سال کی عمر تک حیات رہیں، الواقدی کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ قدسیہ نے ۲۵ برس کی عمر پائی۔ السیوطی لکھتے ہیں کہ جناب عبد اللہ اپنے سفر شام میں مدینہ منورہ کے قریب سے گزرے اور جب واپسی سفر میں مدینہ منورہ آئے تو وہ بیمار تھے۔ وہاں وہ تقریباً ایک ماہ بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ رہی آپ کی والدہ قدسیہ تو وہ مدینہ طیبہ اپنے عزیزوں سے ملنے آئیں اور وہاں ایک مہینہ قیام کیا، اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ہمراہ تھے۔ واپسی سفر میں راستے میں [مقام ابواء میں (۱)] میں وہ فوت ہو گئیں۔

OO-----OO

۱۔ السہیلی (۳/۱۸۴-۱۸۵) لکھتے ہیں کہ ابواء مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام ہے جو نہ مدینہ منورہ کے زیادہ قریب ہے، ایسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ ”بو“ کی جگہ ہے جو اونٹنی کے بچے کی کھال کو کہتے ہیں جب تک وہ اس سے الگ نہ ہو جائے، صاحب المرصد کے مطابق ابواء فرع کے مضافات میں سے ایک تھا، جو کہ الربدہ کے نواحی علاقوں میں سے تھا اور الاستیاق کے بائیں طرف واقع تھا، مدینہ منورہ سے اس کی مسافت ۸ برد تھی اور الحجہ سے جو مدینہ سے متصل مقام تھا، اس کا فاصلہ ۳۸ میل تھا (السہیلی، ۳/۱۸۴-۱۸۵، حاشیہ)۔ یہاں والدہ قدسیہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں، اخبارات کے مطابق جناب آمنہ کی قبر کا نشان، حکومت سعودیہ نے گزشتہ سال (۱۹۹۸ء) سمار کر دیا ہے۔

فائدہ [۲]

ارشاد باری تعالیٰ..... کا مفہوم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَقَبَّلَكَ فِي السَّاجِدِينَ (۲)

اور تجھے سجدہ کرنے والوں میں پلٹتے ہوئے نہ دیکھتا ہے
ممکن ہے کہ اس آیت مبارکہ کو اس بات پر محمول کیا جائے آنحضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے اجداد تمام کے تمام مومن اور سجدہ گزار تھے (۳) ایسی طیٰ اور
الحافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی نے (اسی لیے یہ قطعہ) لکھا ہے۔
قطعہ:

وينقل (۴) احمد نورا عظیمًا تلاً لا في جباه (۵) الساجدين
تقلب فيهم قرناً قرناً الى ان جاء خير المرسلين (۶)

۲۔ الشعراء (۲۱۹/۲۷)۔

۳۔ اس قول کو بعض مفسرین نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے، تاہم علامہ
الصبی کے محشی عبد الرحمن الوکیل لکھتے ہیں:

اما ما نقله البزاز وابن ابی حاتم عن ابن
عباس فهو كلام مفتري على خبر هذه
الامة ابن عباس ولهذا لم يخرج احد من
رواة الحديث في صحيحه او مسنده
او سننه (۶۳/۱-۶۳)

۴۔ مسالک میں ”تنقل“ ہے جو گرائمر کی رو سے غلط ہے۔

۵۔ اصل میں ”وجود“ الساجدین ہے جو تسامع ہے۔

۶۔ ایسی طیٰ: مسالک، ص ۱۸: نیز دیکھیے الدر المنثور، ۳۲۱/۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔
ایسی طیٰ نے یہاں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

اختتامیہ

۱۳۳

تقدیس والدین مصطفیٰ ﷺ

[اور احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑے نور کی صورت میں منتقل ہوتے
رہے، جو سجدہ گزاروں کی پیشانیوں میں ہمیشہ چمکتے رہے، آپ ان میں صدی بہ صدی
منتقل ہوتے رہے، تا آنکہ آپ تمام انبیاء کے سردار بن کر دنیا میں تشریف لے آئے]۔
الصفدیؒ نے حضرت حلیمہؓ کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آمد اور
آپ کی طرف سے ان کے اکرام پر یہ قطعہ لکھا ہے:

هذا جزاء الام عن ارضاعه لكن جزاء الله عنه عظيم
وكذلك ارجو ان يكون لامه عن ذاك آمنة يدونعيم
ويكون احياها الا لا و آمنت بمحمد فحديثها معلوم
فلربما سعدت به ايضا كما سعدت به بعد الشقاء حلیم (۷)

”یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں کے لیے اجر تھا اور اللہ تعالیٰ
کے ہاں ان کے لیے اجر بہت زیادہ ہے۔“ اسی طرح مجھے امید ہے کہ آنحضور صلی
اللہ علیہ وسلم کی والدہ (بی بی) آمنہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت سی نعمتیں اور
انعامات ہیں اور یہ بھی ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا وہ آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم پر ایمان لائیں، جس کی حدیث معلوم ہے۔ شاید وہ بھی اسی طرح
خوش قسمت ہو گئے، جیسے کہ حضرت حلیمہؓ شقاوت کے بعد خوش قسمت ہو گئیں)۔

عن مجاهد..... قال من نبی الی نبی حتی اخرجت نبیا

عن ابی نعیم فی الدلائل عن ابن عباس قال مازال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یتقلب فی اصلاب الانبیاء حتی ولدته امه (۳۲۲/۵)۔

۷۔ مسالک، ص ۲۸۔

فائدہ [۳]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں بدگوئی کا حکم
الہی اپنی کتاب الروض الاف میں مسلم وغیرہ کی احادیث نقل کرنے کے
بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے والدین کے بارے میں کچھ کہیں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے کہ زندوں کو مردوں کے سبب تکلیف نہ دو اور اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۸)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے
رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ
نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے۔

اور ابو بکر بن العربیؓ سے جو ایک مالکی امام ہیں، اس شخص کے بارے میں
پوچھا گیا، جو یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جہنمی ہیں تو
انہوں نے فتویٰ دیا کہ وہ ملعون ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۹)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس
کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ
تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے

اور اس سے بڑھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور کیا اذیت ہو
گی کہ یہ کہا جائے کہ آپ کے والد جہنم میں ہیں۔

قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفا میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ (حضرت) عمر بن عبدالعزیز

کے کاتب نے ان کے سامنے یہ کہہ دیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کافر تھے، تو
انہوں نے اسے معزول کر دیا اور فرمایا: تم آئندہ کبھی بھی میری کوئی چیز مت لکھنا (۱۰)۔

یہ روایت ابو نعیم کی کتاب الحلیہ اور اللہ وی کی ذم الکلام میں ہے اور اس
میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے یہ بات سنی تو بہت سخت خفا ہوئے
اور اسے تمام شعبوں سے موقوف کر دیا۔

فائدہ [۴] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی

رشتہ داروں کے بارے میں بدزبانی سے گریز کا حکم

الحب الطبری اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت
کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سبیعہ بنت ابی لہب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
آئی اور کہا یا رسول اللہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اس خاتون کی اولاد ہیں جو جہنم کا
ایندھن ہیں، یہ سن کر آپ انتہائی غصے کے عالم میں اٹھے اور فرمایا:

ما بال اقوام يؤذونني في قرابتي
من آذای قرابتی فقد آذانی ومن
آذانی فقد آذی الله (۱۱)

ان لوگوں کا کیا حال ہے جو مجھے
میرے قریبی عزیزوں کے بارے
میں ایذا دیتے ہیں، جس نے
میرے کسی قریبی عزیز کو ایذا دی،
اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے
مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔

فائدہ [۵] ابو لہب کا انجام

صحیحین میں ہے کہ ابو لہب کو خواب میں دیکھا گیا، اس نے کہا: میں نے تمہارے بعد کوئی بھلائی نہیں دیکھی، سوائے اس کے کہ مجھے اس میں سے اپنی باندی ثویبہ آزاد کرنے کی مقدار میں یہاں کچھ مشروب پلایا گیا (۱۲)۔

الیوطیؒ کہتے ہیں کہ ثویبہ ابو لہب کی باندی تھی۔ ابو لہب نے اسے [آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں] آزاد کر دیا تھا، پھر اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔

فائدہ [۶]

مروی ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، جب ابو لہب کو، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت رکھنے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی طرف سے ہر قسم کی شدید اذیت پہنچانے کے باوجود صرف اس لیے کہ اس نے آپ کی انا کو آزاد کر دیا تھا قیامت کے دن پانی پلایا جائے گا اور اس کا جسم اتنی ہی مقدار میں جہنم سے آزاد کر دیا جائے گا تو تمہارا اس خاتون کے متعلق کیا خیال ہے جس نے اپنے شکم اطہر میں آپ کو نو ماہ تک اٹھائے رکھا اور کئی سال تک آپ کی پرورش کی۔

وہ رسالہ مکمل ہو گیا ہے، جسے میں نے امام الیوطی کے رسائل میں سے ”تقدیس

آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کے ضمن میں تلخیص کیا ہے، ربیع الاول ۱۱۹۱ھ۔

ابو الحسن زید الفاروقی مجددی (رسالے کا ناقل) کہتا ہے، جو اپنے رب کی رحمت

کا امیدوار ہے، کہ میں نے قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی رضی اللہ عنہ کے اس رسالے:

تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسخے کی نقل بروز ہفتہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ کو شملے (گرمائی مقام) کے رامندرہاؤس کی دوسری منزل پر مکمل کی، واللہ الحمد۔

(اس کا ترجمہ اور اس پر تحقیق کا کام ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ/۲۰ دسمبر ۱۹۹۹ء کو مکمل

ہوا، فللہ الحمد..... محمود الحسن عارف)

وصلی اللہ علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ
اجمعین ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین واجعلنا منهم بفضلك
یا ارحم الراحمین۔

☆☆☆☆☆☆

[تتمہ ۱]

رسالہ

تقدیس والدی المصطفیٰ

صلی اللہ علیہ والہ وسلم

للعالم التحریر والعالم الكبير

قاضی محمد ثناء اللہ محدث الہندی الفانی فقی

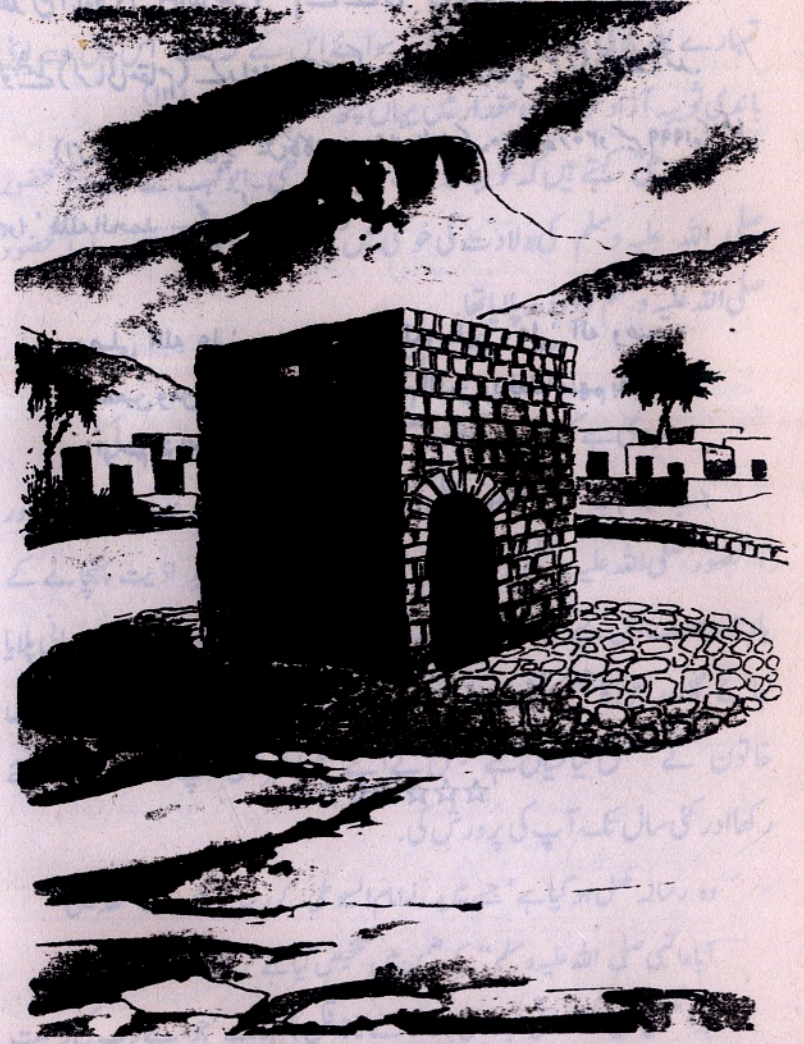
(المتوفی سنہ ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء)

تحقیق

د۔ محمود الحسن عارف

مرکز الادب الاسلامی

۱۷/۲ رحمان بارک غلشن راوی لاہور۔ الباکستان.



Early picture of Ka'aba

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمه من المؤلف رحمه الله

الحمد لله الذي فضل محمداً على المرسلين وجعله خاتم النبيين
ورحمة للعالمين وطهر بركاته آبائه الاقدمين والحق به بفضلته اخلاقه
الآخريين وأتم عليه نعمته في الأولين والآخريين صلى الله تعالى عليه
وعلى آله واصحابه ومن أحبه أجمعين شعر.

طوبى لنا معشر الاسلام إن لنا من العناية ركنا غير منهدم
لما دعى الله داعيناً لطاعته باكرم الرسل كنا اكرم الأكرام
وبعد فهذه رسالة في اثبات ايمان آبائه صلى الله عليه وسلم.



A caravan of Arab merchants

فضائل نسب النبی ﷺ

فاعلم أن العمدة في الباب وما يوجب القطع عليه ما ورد في الصحاح^(١).

(١) منها "حديث أبي هريرة [رضي الله عنه] قال قال صلى الله عليه وسلم بعثت من خير قرون بني آدم قرناً فقرناً حتى بعثت من القرن الذي كنت فيه". رواه البخاري^(٢).

(٢) ومنها حديث واثلة قوله صلى الله عليه وسلم "إن الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل واصطفى من ولد اسماعيل بني كنانة واصطفى من بني كنانة قريشا واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم". رواه مسلم^(٣).

(٣) ومنها حديث أنس "أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ما افترق الناس فرقتين إلا جعلني الله في خيرهما فاخرجت من بين أبوي

(١) جمع الصحيح والمراد به الكتب الصحاح الستة كما سيجيء.

(٢) البخاري الجامع الصحيح ٥٦٦/٦ (كتاب المناقب باب ٢٣) "صفة النبي صلى الله عليه وسلم" رقم الحديث ٣٥٥٧؛ أبو نعيم كتاب الحلية ١/١٧٥ رقم الحديث ٤٤٤.

(٣) مسلم الصحيح ١٧٨٢/٤ (كتاب الفضائل باب ١) فضل النبي صلى الله عليه وسلم وتسليم الحجر عليه قبل النبوة رقم الحديث ٢٢٧٦ بلفظ "إن الله اصطفى كنانة من ولد اسماعيل ومن كنانة قريشا واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم" واحمد بن حنبل مسند ٣/٢٣٤ رقم الحديث ١٦٢٣، ١٦٢٤ بلفظ "إن الله اصطفى كنانة من بني اسماعيل واصطفى من بني كنانة قريشا واصطفاني من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم".

ولم يصبني شيء في عهد الجاهلية خرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم حتى انتهيت إلى أبي وأمي فانا خيركم نفساً وخيركم أبا". رواه البيهقي في دلائل النبوة^(٤).

(٤) ومنها حديث ابن عباس رضي الله عنهما "قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "لم يلتف ابواي على سفاح قط لم يزل الله ينقلني من الاصلاب الطيبة إلى الارحام الطاهرة مصقياً مهذباً لا يشعب شعبتان إلا كنت في خيرهما". رواه أبو نعيم في دلائل النبوة^(٥).

(٥) ومنها حديث ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "خير العرب مضر وخير مضر بنو عبد مناف وخير بني عبد مناف بنو هاشم وخير بني هاشم بنو عبد المطلب والله ما افترق فرقتان منذ خلق الله آدم إلا كنت في خيرهما". رواه ابن سعد^(٦).

(٦) ومنها حديث عائشة [رضي الله عنها] قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "قال لي جبريل قلبت الأرض مشارقها ومغاربها فلم أجد رجلاً افضل من محمد ولم أجد بني أب افضل من بني هاشم". رواه البيهقي في الدلائل والطبراني^(٧).

قال الحافظ ابن حجر في اماليه بعد أن أورد هذا الحديث "لوائح الصحة ظاهرة على صفحات هذا المتن^(٨)".

قال السيوطي الأحاديث في هذا المعنى كثيرة قد أوردتها في أول

(٤) البيهقي دلائل النبوة ١/١٧٦ رقم الحديث ٤٤٨: الهيثمي مجمع الزوائد ٢٠٧/٨ وعزاه إلى الطبراني في الاوسط وقال فيه "موسى بن عبيد الربدى وهو ضعيف".

(٥) أحمد بن حنبل المسند (بالمعنى) ٥/٢١١ وابن ماجه السنن (كتاب الحدود ٨٧١/٢). بلفظ: "نحن بنو النضر بن كنانة لا نتقى (نقذف) من ايينا وتعفوا امنا" والبيهقي دلائل النبوة ١/١٧٣.

(٦) ابن سعد الطبقات.

(٧) البيهقي دلائل النبوة ١/٧٣.

(٨) السيوطي مسالك الحنفاء ص ٩.

هل كان آباء النبي ﷺ مؤمنًا

هذا ما ذكر في ايمان آباء النبي صلى الله عليه وسلم على وجه الاجمال وتفصيله أنهم من آدم إلى نوح كلهم كانوا مؤمنين لانه.

(٧) "أخرج البزاز في مسنده وابن جرير وابن ابى حاتم وابن المنذر في تفاسيرهم والحاكم في المستدرک وصححه عن ابن عباس في قوله تعالى ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾^(١) قال "كان بين آدم ونوح عشرة قرون كلهم على شريعة من الحق فاختلفوا فبعث الله النبيين" وأخرج ابن ابى حاتم عن قتادة في الآية قال ذكر لنا "أن بين آدم ونوح عشرة قرون كلهم علماء يهتدى من الحق ثم اختلفوا بعد ذلك فبعث الله نوحا وكان أول رسول أرسله الله إلى اهل الارض" [انتهى]^(٢).

واذا اختلف الناس كان ابوى نوح مؤمنين لما في التنزيل حكاية من نوح ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا﴾^(٣) ثم سام وحام ويافث ابناء نوح كانوا مؤمنين بنص القرآن والاجماع بجوامع ابيهم في السفينة ولم ينبج إلا مؤمن وقال الله تعالى ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾^(٤) بل ورد في الأثر:

(١) القرآن الكريم البقرة (٢/٢٠٣).

(٢) التفسير المظهرى للقاضى محمد ثناء الله ٢٥٢/١ (تحت تفسير البقرة) آية (٢٠٣) وليس فيه "فبعث الله النبيين" بعد "فاختلفوا" وانظر مسالك الحنفاء للسيوطى ص ١٠ وعزاه إلى البزاز وابن جرير وابن المنذر وابن ابى حاتم.

(٣) القرآن الكريم نوح (٢٨/٧١).

(٤) الصافات ٣٧/٧٧.

(٨) "أن سام كان نبيا"^(٥).

وولده ارفخشذ نص على ايمانه عن ابن عباس رضى الله عنهما

(٩) أخرجه ابن عبدالحكم^(٦) في تاريخ مصر وفيه "أنه أدرك جده نوحا ودعاه لى بأن يجعل الله النبوة والملوك فى ولده" ثم ابنه شامخ إلى تاريخ نص على اسلامهم فى أثر أخرجه ابن سعد فى الطبقات من طريق الكلبي وتاريخ كان أبا لبراهيم^(٧) فأما آذر فالارحج كما قال الرازمي أنه عم ابراهيم لا ابوه وقد سبقه إلى ذلك جماعة من السلف.

(١٠) قال السيوطى رويانا بالاسانيد عن ابن عباس ومجاهد وابن جرير والسرى قال "ليس آذر أبا لبراهيم إنما هو ابراهيم بن تاريخ".
(١١) وقال السيوطى وقفت على أثر من تفسير ابن المنذر صرح فيه بأنه عمه"^(٨).

فثبت أنهم من آدم إلى ابراهيم كلهم كانوا مؤمنين منصوص على ايمانهم متفق عليهم لاخلاف إلا فى آذر والارحج أنه كان عمه ويؤيده ما مر من الاحاديث المجملة.

ثم بعد ابراهيم واسماعيل فقد اتفقت الاحاديث الصحيحة ونصوص العلماء أن العرب من بعد ابراهيم كانوا على دينه لم يكفر منهم أحد قط ولم يعبد صنما إلى عهد عمرو بن عامر الخزاعى فانه أول من غير دين ابراهيم وعبد الاصنام وسيب السوائب.

(١٢) أخرج البخارى ومسلم عن ابى هريرة رضى الله عنه قال:

(٥) مسالك ص ١٠.....

(٦) كذا ذكره السيوطى فى مسالك ص ١٠ وهو صحيح وفى المتن عبدالحكيم وهو تصحيف.

(٧) قال ابن سعد فى طبقاته تحت العنوان: ذكر تسمية الانبياء ونسائهم صلى الله عليه وسلم قال اخبرنا هشام بن محمد بن السائب الكلبي عن ابيه قال "اول نبى بعث ادريس ثم نوح بن عك ثم ابراهيم بن تارح بن ناحور" (١/٥٤).

(٨) انظر الدر المنثور للسيوطى ٣/٣٠٠ (مطبعة دارالفكر بيروت ١٤١٤هـ / ١٩٩٣ع).

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "رأيت عمرو بن عامر الخزاعي يجبر قصبه في النار وكان أول من سب السوائب^(٩)".

(١٣) وأخرج ابن جرير في تفسيره عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "رأيت عمرو بن لحي بن قمعة بن خندف يجبر قصبه في النار أنه أول من غير دين إبراهيم^(١٠)".

(١٤) وأخرج أحمد في مسنده عن ابن مسعود رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال "أول من سب السوائب وعبد الاصنام ابو خزاعة عمرو بن عامر واني رأيت قصبته في النار".

قال الحافظ عماد الدين بن كثير "كان العرب على دين ابراهيم إلى أن ولي عمرو بن عامر الخزاعي مكة وانتزع ولاية البيت من آباء النبي صلى الله عليه وسلم فأحدث عمرو المذكور عبادة الاصنام وشرع العرب الضلالات وزادوا في التلبية بعد قوله "لا شريك له قوله إلا شريكا هو لك تملكه"^(١١). وتبعه العرب على الشرك لكن على دين ابراهيم بقي بعض الناس منهم اجداد النبي صلى الله عليه وسلم لانه

(١٥) أخرج ابن حبيب في التاريخ عن ابن عباس قال "كان عدنان ومعد وربيعة ومضر وخزيمة واسد على ملة ابراهيم"

(١٦) وأخرج ابن سعد في الطبقات من مرسل عبد الله بن خالد قال قال رسول الله عليه وسلم "لا تسبوا مضر فإنه كان قد اسلم"^(١٢).

(١٧) وفي الروض للسيوطي يذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم

(٩) مسلم ٢١٩١/٤ كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها باب ١٣ (النار يدخلها الجبارون) رقم الحديث (٢٨٥٦) ٥٠. بلفظ "رأيت عمرو بن لحي بن قمعة بن خندف ابنا بني كعب هولاء يجبر قصبه في النار" وكذا في البخاري رقم الحديث ١٧٥٧.

(١٠) السيوطي الدر المنثور ٣/٢١٠؛ مسند احمد بن حنبل ٧/٢٢٢ و ٤٢٣.

(١١) مسالك ص ١٢، وعزاه إلى البداية والنهاية لابن كثير.

(١٢) الطبقات لابن سعد ١/٢٤.

أنه قال "لا تسبوا الياس فإنه كان مؤمنا"^(١٣).

(١٨) وذكر "أنه كان يسمع في صلبه تلبية النبي صلى الله عليه وسلم بالحج".

(١٩) وفيه ايضا "أن كعب بن لوى أول من جمع يوم التروية فكان قريش يجتمع إليه فيخطبهم بمبعث النبي صلى الله عليه وسلم ويعلمهم أنه ولده ويأمر باتباعه والايمان ويذكرهم في هذا ابياتا منها قوله شعر:

ياليثني شاهدا فحواء^(١٤) دعوته إذا قريش يبتغي الحق خذلانا"
قال السهيلي وقد ذكر الماوردي هذا الخبر عن كعب في كتاب الاعلام له^(١٥).

(٢٠) قال السيوطي وأخرجه أبو نعيم في دلائل النبوة بسنده عن ابي سلمة بن عبد الرحمن ابن عوف وفي آخره "وكان بين موت كعب ومبعث النبي صلى الله عليه وسلم خمسمائة سنة وستون سنة"^(١٦).

فثبت أن أجداد النبي صلى الله عليه وسلم من ابراهيم إلى كعب وإلى ابنه مرة منصوص على ايمانهم. بقي بين مرة وبين عبد المطلب أربعة آباء: كلاب وقصى وعبد مناف وهاشم. قال السيوطي "لم أظفر فيهم بخصوصهم بنقل" قلت^(١٧) فيكفي في ايمانهم ما مر من المجمعل إذا لم ينقل دليل بخلافه^(١٨).

إيمان عبد المطلب

أما عبد المطلب ففيه خلاف بين الناس والأظهر أن نور النبي صلى الله عليه وسلم لما ظهر فيه فبركة ذلك النور قال لا برهة أن لهذا

(١٣) السهيلي الروض الانف ١/٦١.

(١٤) في الاصل "تجواء" وهو تصحيف والتصحیح من السيوطي.

(١٥) السهيلي ١/٧١.

(١٦) مسالك للسيوطي ص ١٥، وعزاه إلى كتاب الحلية لابي نعيم.

(١٧) يعني مؤلف هذه الرسالة القاضي محمد ثناء الله الفاني فتي.....

(١٨) كذا قاله السيوطي رحمة الله في الرسالة ص ١٥.

البيت ربا يحفظه^(۱۹) وقال وقد سعد ابا قيس قطعة:

لاهم ان المرء يمنع رحله^(۲۰) فامنع رحالك^(۲۱)
لا يغلبن صليهم ومحالهم^(۲۲) غدا محالك^(۲۳) فانصر على آل الصليب
وعابدية اليوم آلك^(۲۴)

وبركة ذلك النور كان يأمر ولده بترك الظلم والبغى ويحثهم على
مكارم الاخلاق وينهاهم عن ذنات الامور وكان يقول في وصاياه انه لن
يخرج ظلوم من الدنيا حتى ينتقم منه وتصيبه عقوبة إلى أن هلك رجل
ظلوم لم تصبه عقوبة فقيل لعبدالمطلب في ذلك ففكر وقال "والله ان
وراء هذه الدار دار يجزى فيها المحسن باحسانه والمسيئ باسائه"^(۲۵)
فالحاصل أنه لم يرو عن عبدالمطلب شيء يدل على كفره ويكفي
في ايمانه التوحيد بالله لانه كان في زمن الفترة.

(۲۱) ذكر ابن سعد في الطبقات باسانيده أن عبدالمطلب قال لأم
ايمن وكانت تحتضن رسول الله صلى الله عليه وسلم "يا بركة لا تغفلي
عن ابني فاني وجدته مع غلمان قريبا من السدرة وان اهل الكتاب

(۱۹) الطبقات لابن سعد ۷۲/۱ (القاهرة ۱۳۵۷هـ).

(۲۰) وفي الاصل "رحاله" وهو تصحيف والتصحيح من ابن سعد ۷۳/۱.

(۲۱) وفي ابن سعد حلالك ۷۳/۱ وفي حواشي ابن سعد "وفي بعض النسخ لابن سعد
رحالك".

(۲۲) وفي الاصل "عياهم" وهو تصحيف والتصحيح من ابن سعد ۷۲/۱.

(۲۳) وفي الاصل "ابدا عيالك" وهو تصحيف والتصحيح من ابن سعد ۱۷۳/۱.

(۲۴) والمصرعة الاخيرة ليس في ابن سعد وفيه

ان كنت تاركهم وقلبتنا

فامر ما بدا لك

(۱۷۲/۱).

(۲۵) مسالك الحنفاء ص ۱۶.

يقولون ان ابني هذا صاحب هذه الامة"^(۲۶)

فظهر أنه كان على التوحيد والملة الحنيفية وانتظار مبعث النبي
صلى الله عليه وسلم وكل من كان هذا شأنه في تلك الزمان فهو من مثل
ورقة بن نوفل^(۲۷) وزيد بن عمرو^(۲۸) وقس بن ساعدة^(۲۹) واوس بن

(۲۶) طبقات لابن سعد ۵۲/۱ ... قال ابن سعد في طبقاته:

"اخبرنا محمد بن عمر واقد الاسلمي قال وحدثني محمد بن عبد الله عن الزهري قال
وحدثنا عبد الله بن جعفر عن الواحد بن حمزة بن عبد الله قال وحدثنا هاشم بن عاصم
الاسلمي عن المنذر بن جهم قال وحدثنا عن ابي نجيع عن مجاهد وقال وحدثنا
عبد الرحمن بن عبد العزيز عن ابي الحويرث قال وحدثنا ابن ابي سبرة عن سليمان بن
سحيم عن نافع بن جبير دخل حديث نعيم في حديث بعض قالوا قال قوم من بني مدلج
لعبدالمطلب احتفظ به فانه لم نر قدما اشبه بالقدم التي في المقام منه فقال
عبدالمطلب لا بى طالب اسمع ما يقول هولاء فكان ابو طالب يحتفظ به وقال
عبدالمطلب لام ايمن وكانت تحضن رسول الله صلى الله عليه وسلم يا بركة لا
تغفلي عن ابني هذا فاني وجدته مع غلمان قريبا من السدرة وان اهل الكتاب يزعمون
ان ابني هذا نبي هذه الامة (۵۲/۱).

(۲۷) ورقه بن نوفل بن اسد بن عبد العزى بن قصي القرشي الاسدي ابن عم خديجة

زوج النبي صلى الله عليه وسلم ذكره الطبري والبغوي وابن قانع وابن السكن

وغيرهم في الصحابة واوردوا كلهم ... عن ابن عباس رضى الله عنهما عن ورقه بن

نوفل قال قلت يا محمد "كيف ياتيك الذي ياتيكي قال ياتيني من السماء جناحه لؤلؤ

وباطن قدميه اخضر" ولكن فيه نظر لابن ابن عباس لم يسمع من ورقه ... كما قاله ابن

عساكر ... وقال ايضا لا اعرف احدا انه قال اسلم ... وفي الصحيح للبخاري عن

عائشة ام المؤمنين رضى الله عنها. "اول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم

... الحديث في محي جبريل بحراء وفيه فانطلقت به خديجة الى ورقة بن نوفل بن

اسد ... ابن عم خديجة وكان تنصر في الجاهلية الحديث وفيه فقال ورقة "هذا

الناموس الذي نزل الله على موسى ياليتي فيها جذعا ليتني اكون حيا حين يخرجك

قومك" وفي آخره "ولم ينشب ورقة ان توفي ... فهذا ظاهره انه اقر بنبوته ولكنه

..... مات قبل ان يدعو رسول الله عليه وسلم الناس الى الاسلام فيكون مثل بحيرا
وفي اثبات الصحبة له نظر (ابن حجر العسقلاني 'الاصابة' ۳/ ۶۳۴)

(۲۸) قال ابن حجر في الاصابة في معرفة الصحابة: "زيد بن عمرو بن نفيل العدوي"
والد سعيد بن زيد... احد العشرة وابن عم عمر بن الخطاب ذكره البغوي وابن منده
وغيرهما في الصحابة، وفيه نظر، لانه مات قبل البعثة بخمس سنين، ولكن يحيى، على
احد الاحتمالين في تعريف الصحابي، وهو انه من راي النبي صلى الله عليه وسلم
مومنا به، هل يشترط في كونه مومنا به ان تقع رويته له بعد البعثة فيؤمن به حين يراه
وبعد ذلك أو يكفي كونه مومنا به انه سيبحث كما في قصة هذا وغيره.

"وقد روى ابن اسحاق في الكتاب الكبير عن هشام بن عروة انه حدثه عن ابيه عن
اسماء بنت ابي بكر قالت لقد رأيت زيد بن عمرو بن نفيل مسندا ظهره الى الكعبة يقول
"يا معشر قريش والذي نفسي بيده ما اصبح منكم على دين ابراهيم غيري" واخرجه من
طريق هشام البخاري من طريق الليث تعليقا... والبغوي من طريق علي بن مسهر كلهم
عن هشام وزادوا فيه "وكان يحيى المؤودة يقول للرجل إذا راد ان يقتل ابنته لا تقتلها
فانا اكفيك مؤنتها" وزاد ابن اسحاق وكان يقول "اللهم اني لو اعلم احب الوجوه اليك
عبدتك به ولكني لا اعلم حتى يسجد على راحته (الاصابة) ۱/ ۵۶۹"

(۲۹) قس بن ساعده بن جذامه بن زفر بن اياد بن نزار الايادي البليغ الخطيب
المشهور... وذكره ابو علي بن السكن وابن شاهين وعبدان المروزي وابو موسى في
الصحابة وصرح ابن السكن بانه مات قبل البعثة وذكر ابو حاتم السجستاني في
المعمرين ونسبه كما ذكرت وقال انه عاش ثلاثمائة وثمانين سنة وقد سمع النبي
صلى الله عليه وسلم حكمته وهو اول من آمن بالبعث من اهل الجاهلية وال من توكا
على عصا في الخطبة واول من قال "اما بعد" واول من كتب من فلان "الى فلان"...
قال الاعشى في قصيدته له

واعلم من قس وامضى كما مضى من الريح ان مس النفوس نكالها

وقال المرزباني ذكر كثير من اهل العلم انه عاش ستمائة سنة وكان خطيبا حكيما
عاقلا له نباهنه وفضل... (الاصابة) ۳/ ۲۷۹.

حارثة (۳۰)

(۲۲) أخرج البزار والحاكم في المستدرک وصححه عن عائشة
قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "لا تسبوا ورقة فاني رأيت له
جنة أو جنتين" (۳۱).

(۲۳) وأخرج البزار عن جابر قال "سالنا رسول الله صلى الله عليه
وسلم عن زيد بن عمرو بن نفيل فقلنا يارسول الله كان يقبل [كذا؟]
يستقبل [القبلة ويقول ديني ابراهيم قال ذلك امة واحدة يحشر بيني
وبين يدي عيسى بن مريم" (۳۲) وسألناه عن ورقة بن نوفل "فقيل يارسول
الله كان يستقبل القبلة ويقول اللهم [كذا؟ الهی] اله زيد ودينی دين زيد
قال رأيتہ يمشی فی بطن جنة عليه حلة من سندس" (۳۳).

(۲۴) وأخرج ابونعيم في الدلائل عن ابن عباس "أن قس ابن
ساعده كان يخطب قومه في سوق عكاظ فقال في خطبته "سيعمكم حق
من هذا الوجه" وأشار بيده نحو مكة قالوا له وما ملاء الحق قال "رجلا
من ولد لؤي بن غالب يدعوكم إلى كلمة الاخلاص وعيش الابد ونعيم
لا ينفد فان دعاكم فأجيبوه ولو علمت أن أعيش مبعثه لكنت أول من
يتبعهم إليه" (۳۴).

(۳۰) اوس بن حارثة بن لام بن عمرو بن ثمامه بن عمرو بن طريف الطائي... ذكره
ابن مانع، وذكره المرزباني في معجم الشعراء، وقال انه شاعر جاهلي وذكر ابن
الكلبي ابن هاني بن قبيصة بن اوس بن حارثة بن لام كان نصرانياً وكان تحته بنت عم
له نصرانية فاسلمت ففرق عمر بن الخطاب بينهما فلو كان اوس بن حارثة اسلم لم
يقر حفيدة هاني بن قبيصة على النصرانية، وذكر ابو حاتم السجستاني في المعمرين
قال عاش اوس بن حارثة بن لام مائتين وعشرين سنة حتى هرم وذهب سمعه وعقله
وكان سيد قومه ورئيسهم... قال ابن حجر، لم يدرك الاسلام (الاصابة: ۱/ ۱۳۴).

(۳۱) انظر الاصابة لابن حجر، ۳/ ۶۳۴.

(۳۲) نفس المرجع، ۱/ ۵۶۹.

(۳۳) نفس المرجع.

(۳۴) الاصابة، ۳/ ۲۶۹.

(۲۵) واخرج الطبرانی فی الكبير بسند رجاله ثقات عن غالب بن ابجر قال "نعم انه كان على دين ابينا اسماعيل بن ابراهيم" (۳۵).

(۲۶) واخرج ابن عساکر فی تاريخه عن جامع بن حوران "أن الاوس بن حارثة كان يذكر دعوة الحق وبعث [كذا؟] مبعث [النبي صلى الله عليه وسلم] او وصى بذلك ولده مالكا عند موته" (۳۶).
فثبت ايمان عبدالمطلب كما ثبت ايمان هولاء.

(۲۷) وحكى ابن سيد الناس فی السيرة وغيره "ان الله تعالى احبى عبدالمطلب على يد النبي صلى الله عليه وسلم حتى آمن بالنبي صلى الله عليه وسلم" (۳۷) لكن لم يرد [كذا؟ يرو] ائمة هذه الخبر أحد من السنة ولم يرو فيه حديث ضعيف ولا غيره.



(۳۵) نفس المراجع.

(۳۶) نفس المراجع.

(۳۷) مسالك الحنفاء ص ۱۵ وقال فيه "واما عبدالمطلب ففيه ثلاثة اقوال احدهما وهو الاشيه انه لم تبلغه الدعوة لاجل الحديث الذى فى البخارى وغيره والثاني انه كان على التوحيد وملة ابراهيم هو ظاهر عموم كلام الامام فخر الدين والثالث ان الله احياه بعد بعثته النبي صلى الله عليه وسلم حتى آمن به واسلم ثم مات حكاه ابن سيد الناس وهذا اضعف الاقوال واسقطها واوها لانه لا دليل عليه ولم يرد قط فى حديث "ضعيف ولا غيره" ۱۲.

اثبات ايمان والد رسول الله ﷺ

بقى الكلام فى ابوى النبي صلى الله عليه وسلم عبدالله بن عبدالمطلب وآمنة بنت وهب ولولا من الاحاديث ما يدل على خلاف ما ادعينا ما احتجنا إلى البسط فى هذه المقال فلنذكر اولاً ما يدل على خلاف ما ادعينا ولنقصد بالجواب عنها والتاويل ثم لنذكر ما يفيد المطلوب وبالله التوفيق.

اما ما يدل على خلاف ما ادعينا فمنها

(۲۸) ما رواه الحاكم من طريق ايوب ابن هانى عن مسروق عن ابن مسعود قال "خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ينظر فى المقابر وخرجنا معه فامرنا فجلسنا ثم تخطى القبور حتى انتهى الى قبر منها فناجاه طويلاً ثم ارتفع بجنبه باكياً فبكينا لبكائه ثم اقبل الينا فقلقه عمر فقال يارسول الله ما الذى ابكاك فقد ابكاناها وافزعنا فجاء وجلس الينا فقال افرعكم بكائى؟ قلنا نعم قال ان القبر الذى رأيتمنى أناجى فيه قبر آمنة بنت وهب وانى استأذنت ربى فى زيارتها فاذن لى فاستأذنته فى الاستغفار فلم يأذن لى ونزل على ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (۱) الآيتين فاخلى ما يأخذ الولد للوالدة من الرقة فذلك الذى ابكائى". قال الحاكم "هذا حديث صحيح" (۲) وتعقبه الذهبي فى شرح المستدرک فقال "ايوب بن هانى ضعفه ابن معين".

(۱) القرآن الكريم التوبة ۹/۱۱۲، ۱۱۳.

(۲) مستدرک للحاكم (طبع بحيدر آباد الهند) ۳۳۶/۲ (كتاب التفسير) فى تفسير التوبة) وقال على شرط الصحيحين ولم يخرجاه ... وعقبه الذهبي وقال "فيه ايوب بن هانى" وهو ضعيف ... وقال السيوطى، واما حديث نزول الآية فى ذلك فضعيف ايضا والثابت فى الصحيحين انها نزلت فى ابى طالب (مسالك للسيوطى ص ۲۲).

(٢٩) وأخرج الطبراني من حديث ابن عباس ولفظه "لما أقبل من غزوة تبوك واعتمر هبط من ثنية عسفان فنزل على قبر امه" (٣) وذكر نحو حديث ابن مسعود وفيه نزول الآية واسناده ضعيف.

(٣٠) وأخرج ابن سعد وابن شاهين من حديث بريدة بلفظ "لما فتح رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة أتى قبر امه فجلس" فذكر نحوه (٤).

(٣١) وفي لفظ ابن جرير وابن شاهين من طريقه "لما فتح قدم مكة أتى رسم" (٥).

(٣٢) وعند ابن جرير وجه آخر "لما قدم مكة وقف على قبر امه حتى سحنت عليه الشمس رجاء أن يؤذن له فليستغفر لها فنزلت عليه" قال ابن سعد في الطبقات بعد تخريجه "هذا غلط وليس قبرها بمكة بل قبرها بالابواء" فظهر أن طرق الحديث كلها معلولة قال الحافظ ابن حجر في شرح البخاري "من حكم بصحة حديث ابن مسعود ليس لكونه صحيحا لذاته بل لو روده من هذه الطرق

وقد تأملت فوجدتها كلها معلولة وفي الحديث علة أخرى وهي أنه مخالف لما في صحيح البخاري وغيره من أن هذه الآية نزلت بمكة عقب موت أبي طالب واستغفار النبي صلى الله عليه وسلم" (٦).

(٣) الطبري، التفسير ٥٦-٥٥/١٤.

(٤) ابن سعد، ١١٧/١.

(٥) التفسير لابن جرير الطبري، ٥٥/١٤، طبع باعثناء محمود محمد شاكر، بمطبعة دار المعارف القاهرة، بلفظ: "لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة وقف على قبر امه حتى سحنت عليه الشمس رجاء أن يؤذن لها... حتى نزل ما كان للنبي والذين آمنوا..." الآية.

(٦) ايضاً، ٥١١/١٤.

(٧) ابن سعد، ١١٧/١ (ذكر وفاة أمته أم رسول الله صلى الله عليه وسلم).

(٣٣) وأصح طرق هذا الحديث ما أخرجه الحاكم وصححه على شرط الشيخين عن بريدة عن النبي صلى الله عليه وسلم "أنه زار قبر امه في الف مقنع فما رأى أكثر باكياً من ذلك اليوم" (٩).

وهذا القدر لا علة له وليس فيه مخالفة لشيء من الأحاديث ولا نهى عن الاستغفار وقد يكون البكاء لمجرد الرقة التي تحصل عند زيارة القبور من غير سبب تعذيب أو لبعض المعاصي.

(٣٤) وكذا ما روى مسلم عن أبي هريرة قال "زار النبي صلى الله عليه وسلم قبر امه فبكى وبكى من حوله فقال استأذنت ربي في الاستغفار لها فلم يؤذن لي واستأذنته في أن أزور قبرها فأذن لي فزوروا القبور فانها يتذكركم الموت" (١٠).

لا يدل على كونها مشركة لانه يمكن أن يكون الاستغفار لاجل المعاصي وجاز الاذن بالاستغفار كما كان في ابتداء الاسلام لم يؤذن بالصلوة على من كان ديناً ولم يترك الوفاء (١١).

(٣٥) ومنها ما رواه ابن شاهين بسنده وأخرجه الحاكم في المستدرک وصححه عن ابن مسعود قال "جاء ابننا مليكة فقالا يا رسول الله ان امنا كانت تكرم الضيف وقد ماتت في الجاهلية فاین امنا فقال امكما في النار فقاما وقد شق ذلك عليهما فدعاهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان أمي مع امكما فقال منافق من الناس أو ما يغني هذا من أمه ما يغني ابننا مليكة عن أمهما فقال شاب من الانصار فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما سألتهما ربي فيعطيني فيهما واني لقائم

(٨) البخاري مع فتح الباري، لابن حجر، ٢٢٨/٣ (كتاب الجنائز، باب ٨٤، رقم الحديث ١٣٦٦، وكتاب التفسير، تفسير سورة التوبة).

(٩) مستدرک للحاكم، ٦٠٥/٢ (كتاب التاريخ، زيارته صلى الله عليه وسلم قبر امه).

(١٠) الصحيح للمسلم، ٦٧١/٢، رقم الحديث ١٠٥ (٩٧٦)، كتاب الجنائز، باب

٣٦، الحديث ١٠٨ (٩٧٦)...

(١١) مسالك، للسيوطي، ص ٢٤.

المقام المحمود^(۱۲).

قلت وهذا الحديث يدل على أن هذا كان قبل أن يسأل ربه فيها.
(۳۶) وأخرج أحمد عن أبي زر بن العقيلى "قال قلت يا رسول الله أين أمي قال أمك في النار فقلت فاين من مضى من اهلك قال أما ترضى أن تكون أمك مع أمي".

(۳۷) ومنها ما ذكر في بعض التفاسير انه صلى الله عليه وسلم قال ليت شعري ما فعل بابواي فنزلت ﴿وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾^(۱۳)

(۳۸) ومنها ما روى مسلم وأبو داود عن حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس رضي الله عنه قال "يا رسول الله أين أمي قال في النار فلما قفى دعاه فقال ان أبى وأباك في النار"^(۱۴).

هذا حديث من افراد مسلم عن البخارى وتكلم على بعض افراد وثابت وان كان اماماً ثقة لكن ذكره ابن عدى في الضعفاء وحماد بن سلمة وان كان اماماً عابداً عالمياً فقد تكلم جماعة في روايته ولم يخرج عنه البخارى شيئاً في صحيحه وقال الذهبي حماد ثقة له أوهام وله مناكير كثيرة وكان لا يحفظ وكانوا يقولون انها دُست في كتبه وقد قيل ان ابن العرجاء كان ربيبه وكان يدس في كتبه^(۱۵)

(۳۹) ومن انكر رواياته ما رواه عن قتادة عن عكرمة عن ابن عباس

(۱۲) مسند لاحمد بن حنبل ۲/۴... (وسنده ضعيف).

(۱۳) نفس المرجع ۱۲/۴۸۳، رقم الحديث ۱۶۱۳۳؛ ابو داود الطيالسي ص ۱۴۷، رقم الحديث: ۱۰۹۰؛ ومعجم الكبير للطبراني ۲۸/۱۹، رقم ۴۷۱.

(۱۴) مسلم ۱/۱۹۱، كتاب الايمان، باب ۸۷، (بيانه من مات على الكفر...) رقم الحديث ۳۴۷ (۲۰۳).

(۱۵) قال السيوطي في مسالك "ان هذه اللفظة وهي قوله ان أبى وأباك في النار لم يتفق على ذكرها الرواة وانما ذكرها حماد بن سلمة عن ثابت عن انس وقد خالفه معمر عن ثابت فلم يذكر ان أبى وأباك في النار ولكن قال له "إذا مرت بقبر كافر فيشره بالنار وهذا اللفظ لا دلالة فيه على والده صلى الله عليه وسلم بامر البتة وهذا اثبت من حيث الرواية فان معمر اثبت من حماد فان حمادا تكلم في حفظه ووقع في احاديثه مناكير (ص ۲۳)

مرفوعاً "رأيت ربي جعداً امرد عليه حلة خضراء"

وفي حديث أنس علة أخرى من حيث المتن أن النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا سأله أعرابي وخاف من افصاح الجواب فتنة واضطراب قلبه أجابه بجواب فيه تورية وايهام كالحديث الذي أخرجه البخارى "سأله رجل عن الساعة قال فنظر الى أحدث القوم سناً فقال ان يستنفذ هذا عمره لم يميت حتى تقوم الساعة"^(۱۶)

قال العلماء كان الاعراب يسألونه كثيراً عن الساعة فخشى صلى الله عليه وسلم من قوله "لا أعلمها" فتنتهم وشكهم في نبوته فاجابهم بجواب فيه تورية ومراده ان بلغ هذا الغلام اقصى عمره لم يميت حتى تقوم على الحاضرين ساعتهم أن يموتوا كلهم وقيامهم ساعة كل واحد موته.

اذا عرفت ذلك فالذى عندي أن من رواة مسلم من روى بلفظ "ان أبى وأباك في النار" روى بالمعنى

(۴۰) وكان القصة ما أخرج البزار في مسنده والطبراني في الكبير بسند رجاله رجال الصحيح عن سعد بن ابى وقاص "أن اعرابياً أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله أين أبى قال في النار قال فاين ابوك فقال حيث مررت بقبر كافر فيشره بالنار"^(۱۷) قال هذا حديث صحيح وصريح في أن السائل كان اعرابياً ففيه مظنة الفتنة والردة فلعل النبي صلى الله عليه وسلم كره بافصاح الجواب باختلاف ابيه و أبى الأعرابي خشية ارتداده فاوهم ودارى ولهذا قال بعض الحفاظ لو لم يكتب الحديث من ستين وجها ما عقلناه وقد وقع في الصحيح أحاديث كثيرة على هذا النمط.

(۱۶) البخارى، مسند لاحمد بن حنبل ۱۱/۱۶۷، رقم الحديث ۱۳۱۵۷.

(۱۶) مسند لاحمد بن حنبل ۱۱/۱۶۷، رقم الحديث ۱۳۱۵۷.

(۱۷) مسالك للسيوطي، ص ۲۳، بلفظ "اذا مررت بقبر كافر فيشره بالنار" وعزاه الى معجم للطبراني "والاعرابي اسلم بعد ذلك".

(٤١) ومنها حديث مسلم في نفي قراءة البسملة^(١٨) وقد اعلمه الشافعي بذلك وقال "ان الثابت من طريق آخر نفي سماعهم ففهم منه الراوى بنفي قرائتها فرواه بالمعنى على ما فهمه واخطأ" - قلت وكذا حديث "امى مع امكما" لجواز ان يكون معناه معيتهما في دار البرزخ

ثم نقول كون شخص في النار ومن اصحاب الجحيم لا تدل على كونه كافراً اذ قد يكون لمعصية حتى تدركه المغفرة أو الشفاعة أو دون ذلك أو يبلغ الكتاب أجله ونزول قوله تعالى ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (١٩) في حديث زيارة النبي صلى الله عليه وسلم أمه وهم من الراوى.

(٤٢) والصحيح ما في البخارى "أن الآية نزلت عقب موت ابي طالب واستغفار النبي صلى الله عليه وسلم".^(٢٠)

وحينئذ لا يدل شيء من تلك الأحاديث على خلاف مذهبنا بل فيها ما هو حجة لنا وهو أنه ظهر بتلك الأحاديث أنه صلى الله عليه وسلم حزن على أمه حزناً شديداً حتى بكى وابكى من حوله وقال أخذني ما ياخذ الولد لو الدتها ولا شك أنه صلى الله عليه وسلم محبوب الله تعالى موعود منه تعالى بقوله ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾^(٢١) فالعقل السليم يحكم بأن الله الذي لما رأى تقلب وجهه في السماء لأجل الصلوة إلى الكعبة قال ﴿قَوْلٌ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾^(٢٢) فهو لحزنه صلى الله عليه وسلم وبكاء على والديه أولى أن يحكم بالآذن له

(١٨) الصحيح للمسلم، ٢٩٩/١، باب ١٣، رقم الحديث ٣٩٩: حجة من قال لا يحجر بالبسملة.

(١٩) القرآن الكريم، التوبة (٩/١٣).

(٢٠) البخارى، ٨/٣٨١ (كتاب التفسير، تفسير سورة التوبة، باب ١٦).

(٢١) القرآن الكريم (الضحى ٥/٩٣).

(٢٢) البقرة (٢/١٤٩، ١٥٠).

بِالاستغفار ويغفر ابويه كي تقرر عينيه ولا يحزن.
ويشهد على هذا ما مر من قوله صلى الله عليه وسلم "ما سألتهما
ربي فيعطيني فيهما واني لقايم مقام المحمود".



مذهب والدي المصطفى صلى الله عليه وسلم

ثم القائلين بنجاة ابيه صلى الله عليه وسلم منهم من ذهب الى
أنهما كانا على التوحيد والملة الحنيفة:

(٤٣) روى ابو نعيم في دلائل النبوة من طريق الزهري عن ام
سماعة بنت ابي رهم عن امها قالت "شهدت آمنة ام رسول الله صلى
عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم في علتها التي ماتت فيها ومحمد
غلام بلغ له خمس سنين عند رأسها فنطرت إلى وجهه ثم قالت :

بارك فيك الله^(١) من غلام يا ابن الذي من حومة الحمام
نجا بعون الملك المنعم فودى غداة الضرب بالسهم
بمائة^(٢) من ابل سوام^(٣) ان صح ما ابصرت في المنام
فانت مبعوث الى الأنام من عند ذي الجلال والاكرام
تبعث في الحل والحرام تبعث بالتحقيق والاسلام
دين ابيك البر ابراهيم فالله انذاك عن الاصنام
ان لا تواليها مع الاقوام

ثم قالت كل حي ميت وكل جليد بال وكل كثير يعنى [كذا؟ تعنى]
"وانا ميته و ذكريات وقد تركت خيرا وولدت طهرا" ثم ماتت فكانا
نسمع نوح الجن عليها فحفظنا من ذلك:

(١) وفي الاصل يارك الله فيك "والصحيح" من مسالك ص ١٩ .

(٢) وفي الاصل مائة.

(٣) وفي الاصل السوام.

تبكى الفتاة البرة الأمانة ذات الجمال والعفة الرزينة
روجة عبد الله والقرينة ام نبي الله ذى السكية
وصاحب المنبر بالمدينة صارت لذي حفرتها رهينة^(٤)
هذا القول من ام النبي صلى الله عليه وسلم صريح في انها كانت
موحدة اذ ذكرت دين ابراهيم وبعث [كذا؟ بعثه] ابنها صلى الله عليه
وسلم بالاسلام من عند ذي الجلال والاكرام ونهيه عن الاصنام فكانت
هى كزيد بن عمرو بن نفيل وقس بن ساعدة و ورقة بن نوفل واكثر من
تحنف وانما كان سبب تحنفهم ماسمعوا من اهل الكتاب والكهان
قريب زمانه صلى الله عليه وسلم وام النبي صلى الله عليه وسلم سمعت
من ذلك اكثر مما سمعه غيرها وشاهدت في حمله وولادته من الآيات
الباهرة ما يحمل على التحنف ضرورة فانها

(٤٤) "رأت النور الذي خرج منها وأضاء قصور الشام حتى رأتها
كما ترى الامهات البنين".

(٤٥) وقالت حليلة حين جاء ت به وقد شق صدره "ما للشياطين
عليه من سبيل وانه لكانن نبي".

(٤٦) أخرج أحمد والبخاري والطبراني الحاكم والبيهقي عن
عرباض بن سارية "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انى عبد الله
وخاتم النبيين وان آدم لمنجدل في طينه وساخيركم عن ذلك أنا دعوة
ابى ابراهيم وبشارة عيسى ورؤيا امى التي رأت^(٥) .

ومتهم من ذهب الى أن الله تعالى احبب أمه وأباه قأما برسول الله
صلى الله عليه وسلم

(٤٧) قال ابن شاهين "حدثنا محمد بن الحسن بن زياد مولى

(٤) مسالك للسيوطي ص ١٩ وعزاه الى دلائل النبوة لابن نعيم ... وكما ترى ...
هذا الاثر ضعيف جدا بل هو من الموضوعات ... وإيمان ابواى النبي صلى الله
عليه وسلم لا يحتاج لمثل هذه الموضوعات.

(٥) انظر الطبقات لابن سعد ١/ ٨٤.

الانصار قال حدثنا احمد بن يحيى الخضرى بمكة قال حدثنا ابوبكر عربة [كذا؟ عزوبة] بن محمد بن يحيى الزهرى قال حدثنا عبدالوهاب بن موسى الزهرى عن عبد الرحمن بن ابي الزناد عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضى الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم نزل الى الحجون كنييا حزينا فاقام به ما شاء الله ثم رجعت مسرورا قال سألت ربي عز وجل فاحيى لى أمتى فآمنت ثم ردها^(٦).

(٤٨) قال الحافظ محب الله بن أحمد بن عبد الله المكي الطبرى فى كتابه السيرة قال "اخبرنا ابوالحسن المعبر قال اخبرنا الحافظ ابوالفضل محمد بن على بن عبدالرزاق الحافظ الزاهد قال اخبرنا العاصى ابوبكر محمد بن أحضر [كذا؟] قال حدثنا ابو عزوبة محمد بن يحيى الزهرى قال حدثنا عبدالوهاب بن موسى الزهرى عن عبدالرحمن بن ابي بردة عن هشام عن ابيه عن عائشة نحوه^(٧).

(٤٩) وقال الحافظ ابوبكر الخطيب فى كتابه السابق واللاحق أن أبا الفداء الواسطى "حدثنا قال حدثنا الحسين بن على بن محمد الحلبي قال حدثنا ابوطالب عمر بن الربيع الزاهدى قال حدثنا على بن ايوب الكعبى قال حدثنا محمد بن يحيى الزهرى ابو عزوبة عن عبدالوهاب بن موسى قال حدثنا مالك بن أنس عن أبى الزناد عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت "حج بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع فمر^(٨) على عقبة الحجون وهو باك حزين فذكرت القصة فقالت "قد ذهبت لقبر أمتى فسألت الله أن يحييها فاحيها فآمنت بى وردها الله".

(٥٠) وأخرجه الدارقطنى وابن عساكر فى غرائب مالك قال الدارقطنى باطل وقال ابن عساكر منكر وأورده ابن الجوزى فى

(٦) الروض الانف للسهيلى ١٨٥/٢... وهو من المناكير (حواشى للروض الانف).

(٧) مسالك الحنفاء ص ٢٧ وهو ايضا من المناكير.

(٨) الروض الانف ١٨٥/٢.

الموضوعات ولم يتكلم على رجاله وكان الحديث من طريقين "عن مالك عن ابي الزناد هشام" "وعن عبدالرحمن بن زياد عن هشام"

(٥١) وقال السهيلى فى كتابه الروض الانف^(٩) روى حديث غريب لعله بصحيح وجدته بخط جدى ابي عمر احمد بن الحسن القاضى بسند فيه مجهولون ذكر أنه نقله من كتاب النسخ من كتاب [معوذ^(١٠)] بن [معوذ] الزاهد برقعة. [كذا؟ يرفعه] إلى [عبدالرحمن بن^(١١)] ابي الزناد عن [هشام]^(١٢) عن عروة عن عائشة [أم المؤمنين رضى الله عنها] أنها أخبرت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيى ابويه فاحياهما فأما به ثم أمتهما^(١٣).

فان قيل أما السند الأول ففيه محمد بن زياد وهو النقاش ليس بثقة واحمد بن يحيى مجهول وفى السند الثالث ابوطالب عمر بن الربيع ضعفه الدارقطنى وعلى بن ايوب الكعبى فيه جهالة ثم مدار الحديث على ابي عزوبة الصغير محمد بن يحيى^(١٤) قال الدارقطنى مجهول وعلى عبدالوهاب بن موسى قال الذهبى مجهول قلت أما أحمد بن يحيى الحضرمى فليس بمجهول قد ذكره الذهبى فى الميزان وقال "روى عن حرمة النخسى وابنه ابوسعيد ويونس" ومن يترجم بهذا تعتبر بحديثه واما محمد بن زياد فان كان هو النقاش كما ذكره ابن

(٩) السهيلى ١٨٥/٢.

(١٠) وفى الاصل "معقود" وهو تصحيف.

(١١) سقط من الاصل.

(١٢) سقط من الاصل، والزيادة من الروض ١٨٧/٢.

(١٣) الروض الانف للسهيلى ١٨٧/٢.

(١٤) قال الذهبى فى كتابه لسان الميزان (٤٣٢/٥). محمد بن يحيى بن حمزان

الحضرمى من اهل دمشق يروى عن ابيه وروى عنه "اهل الشام قال ابن حبان فى الثقات هو ثقة فى نفسه يتقى من حديثه" رواه عنه احمد بن محمد بن يحيى واخوه فانهما يدخلان عليه كل شىء.

كَافِرٌ^(۱۷) فمن مات كافراً لم ينفعه الايمان بعد الرجعة بل لو آمن عند المعاناة لم ينفع فكيف بعدا الاعادة. قال القرطبي في ما ذكره ابن دحية نظرو ذلك أن فضائل النبي صلى الله عليه وسلم لا تكاد تحصى كان عيسى يحيى الموتى وكذلك نبينا صلى الله عليه وسلم احيا الله على يديه جماعة من الموتى فما يمنع من ايمانهما

(۵۲) وقد رد الله تعالى الشمس عليه بعد مغيبها حتى صلى العصر على ما ذكر الطحاوى^(۱۸) وقال انه حديث ثابت فلولم يكن رجوع الشمس نافعا وأنه لا يتجدد الوقت لما رده عليه فكذلك يكون احياء ابوى النبي صلى الله عليه وسلم وقد قبل الله توبة قوم يونس مع تلبسهم بالعذاب كما هو أحد الاقوال وظاهر القرآن قال الله تعالى ﴿إِلَّا قَوْمٌ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ﴾^(۱۹)

(۵۳) وقال اليسوطى ورد أن اصحاب الكهف يبعثون فى آخر الزمان ويحجون ويكونون من هذه الامة تشريفا لهم

(۵۴) وورد عن ابن عباس مرفوعاً أن اصحاب الكهف اعوان المهدي^(۲۰) أخرجه ابن مردويه فى تفسيره - فاعتبر حياة اصحاب الكهف بعد الموت تشريفا لهم فكذا ابوى النبي صلى الله عليه وسلم ولا بدع فان الله تعالى كتب لابوى النبي صلى الله عليه وسلم عمراً ثم قبضهما قبل استيفائهما ثم اعادهما لا استيفاء تلك اللحظة الباقية وآمناً به فيها فيعتد به وذلك اكرام له صلى الله عليه وسلم ورحج قول من قال أن الحديث ليس بموضوع [منهم] حافظ شمس الدين بن ناصر الدين

(۱۷) البقرة (۲/۲۱۷).

(۱۸) السنن للطحاوى (كتاب الصلوة).

(۱۹) القرآن الكريم: يونس (۱۰/۹۸).

(۲۰) الدر المنثور: للسيوطى ۳۷۰/۵، بلفظ: "عن ابن مردويه عن ابن عباس قال

قال رسول الله عليه وسلم اصحاب الكهف اعوان المهدي".

الجوزى، فهو أحد العلماء بالقراءة وأحد الأئمة فى التفسير قال الذهبى فى الميزان صار شيخ المقرئين فى عصره على ضعف فيه اثنى عليه ابو عمرو الدانى وحدث بمناكيره واما على بن ايوب [الكعبى^(۱)] فليس بمجهول، قد عرفه الدارقطنى واما عمر بن الربيع فان كان قد تكلم فيه قوم فقد وثقه آخرون وكان كثير الحديث توفى سنة اربعين وثلاثمائة بمصر كذا قال مسلمة بن قاسم.

ثم اذا اعتضد رواية بعضهم ببعض زال الضعف وبقي أن مدار الحديث على ابى عزوبة الصغير قال شيخ الاسلام ابو الفضل بن حجر فى لسان الميزان، بعد ذكره كلام ابن الجوزى، اما محمد بن يحيى فليس بمجهول بل هو معروف له ترجمة جيدة فى تاريخ مصر لابی سعيد بن يونس فقال محمد بن يحيى بن محمد بن عبد العزيز بن عمر بن عبد الرحمن بن عوف ابو عبد الله ولقبه ابو عزبة مدنى، قدم مصر وله كتيبان، روى عنه اسحق بن ابراهيم الكناس و زكريا بن يحيى البغوى وسهل بن سوار القافعى ومحمد بن فيروز ومحمد بن عبد الله بن حكيم، لكن قال الدارقطنى ابو عزوبة هذا هو الصغير منكر الحديث وقالوا لولا تفرد ابى عزوبة به لحكمنا بأن الحديث حسن لكنه ضعيف واما شيخه عبد الوهاب ابن موسى ثقة الدارقطنى فى موضعين فقال فى موضع ثقة وقال فى موضع ليس به بأس [و] أقره الحافظ بن حجر ولم تنقل فيه جرح ومن فوقهم من مالك فصاعداً لا يسأل عنهم لجلالتهم فظهر من رواية الحديث ليس أحد يحكم عليه بالوضع وانما حكم من حكم بالوضع، لمعنى آخر قال القرطبي ذكر الحافظ ابو الخطاب عمر بن دحية أن الحديث فى ايمان أمه وابيه موضوع يرده القرآن والاجماع قال الله تعالى ﴿وَالَّذِينَ يُمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا﴾^(۲) وقال ﴿قِيَمَتْ وَهُوَ

(۱) وفى الاصل الكفى وهو تصحيف.

(۲) القرآن الكريم: النساء (۴/۱۸).

محدث دمشق من المتأخرين فإنه أورد الحديث من طريق الخطيب في كتابه المسمى مورد الصافي في مولد الهادي وانشد عقبه شعر :

حَبَا الله النبي مزيد فضل
على فضل وكان به رؤفا
فَاحِيَا أُمّه وَكَذَا أَبَاه
لَايمان به فضلاً لطيفاً
فَسَلِّمْ فَالْقَدِير بِذاقدير
وَأَنْ كَانَ الحديث به ضعيفاً^(٢١)

حديث احياء ام النبي صلى الله عليه وسلم وايمانها ضعيف لاجل ابي عزوبة وليس بمنكر وانما قال من قال انه منكرًا زعمًا منه أن حديث الزيارة التي سبقت وفيه النهي عن الاستغفار لها صحيح، فان المنكر من الحديث ما كان ضعيفاً مخالفاً لحديث صحيح ولما كشف لك فيما قبل ان حديث الزيارة ايضاً ضعيف، فحينئذ لا يمكن أن يقال أن حديث احياء أمه عليه السلام منكر بل يقال أن حديث الزيارة منسوخة وحديث الاحياء ناسخة [لأنه] حديث وقع في حجة الوداع فظهر أن النهي عن الاستغفار صار منسوخاً فاستغفر رسول الله صلى الله عليه وسلم واحياها الله فأمنت وغفر لها، هذا ملخص قول الفريقين.

ومنهم من ذهب الى انهما كانا على التوحيد والملة الحنيفية.

ومنهم من قال احياءهما الله تعالى بدعوة نبيه صلى الله عليه وسلم فأما به ثم ماتا قلت ويمكن الجمع بين القولين وهو الاختار عندي وحينئذ الفائدة في احيائهما وان كانا على التوحيد والملة الحنيفية لكن لما كان ذلك الوقت زمن الفترة الجاهلية كان ايمانهما ضرورياً مقصوراً على التوحيد وما وصل اليهما من خبر بعثة ابنهما خاتم النبيين [صلى الله عليه وسلم] من اهل الكتاب ومن الكهنة ولعلمهما كانا في

(٢١) مسالك، للسيوطي، ٢٨، وعزاه الى شمس الدين محمد بن ناصر الدين

الدمشقي (٢م) ٨٤٤هـ / ١٤٣٨م.

البرزخ محبوسين عن الجنة ببعض معاصيهما وان الله لم يأذن نبيه صلى الله عليه وسلم اولاً لاستغفارهما كما لم يأذن له صلى الله عليه وسلم في أول الاسلام بالصلوة على من عليه دين ولم يترك الوفاء ثم من الله تعالى على نبيه فاذن له بالاستغفار فاستغفر لهما الله فغفر لهما واحياهما الله تعالى بدعاء نبيه صلى الله عليه وسلم وتشريقاً لهما فاما بجميع ما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم واحرزاً مدارج الايمان وفضائل صحة خير الانام فمثلهما كمثلي اصحاب الكهف أنهم امنوا ببرهم في حياتهم الاولى ثم احياهم الله ثانياً ليكونوا من هذه الأمة الوسط خير الأمم، شهداء على الناس جمعا بين الأحاديث وتصديقاً لما صح عنه صلى الله عليه وسلم وذكرناه في صدر الرسالة "أنا خيركم نفساً وخيركم أباً"^(٢٢) ونحوه فإنه

(٥٥) قال ابن الجوزي "أخبرت عن ابي الحسن يحيى بن الحسين بن اسماعيل العلوي قال اخبرنا ابو عبد الله محمد بن علي بن الحسين الحسنی قال حدثنا زيد بن حاجب قال حدثنا محمد بن علي بن حمزة العباس قال حدثنا ابي قال حدثنا علي بن موسى بن جعفر قال حدثنا ابي عن جعفر بن محمد عن ابيه علي بن الحسين عن ابيه علي مرفوعاً أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هبط جبرائيل على فقال ان الله يقرئك السلام يقول اني حرمت النار على صلب انزلك وبطن حملك وحجر كفلك"^(٢٣)

أما الصلب فعبداً لله وأما البطن فآمنة وأما الحجر فعمه يعني ابا طالب وفاطمة بنت أسد قال ابن الجوزي اسناده كما ترى وابوالحسين العلوي رافضی غال.

قلت فاطمة بنت أسد آمنت وصحبت وهاجرت رضى الله عنها واما ابو طالب فلا شك في كفره لكن

(٢٢) انظر الحاشية (٤) تحت الجزء (١) في هذه الرسالة.

(٢٣) السيوطي، مسالك، ص ٢٣.

(۵۶) قال ابن سعد في الطبقات أخبرنا عفان بن مسلم [عن^(۲۴)] حماد بن سلمة^(۲۵) عن ثابت عن اسحاق بن عبد الله بن الحارث قال قال العباس "يا رسول الله اترجو لابي طالب قال كل الخير أرجو من ربي^(۲۶) والله اعلم".



حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن اسحاق بن عبد الله بن الحارث قال قال العباس "يا رسول الله اترجو لابي طالب قال كل الخير أرجو من ربي^(۲۶) والله اعلم".

(۲۴) وفي الاصل "إن" وهو تصحيف، والتصحيح من ابن سعد، ۱/ ۱۲۴: "أخبرنا عفان بن مسلم، أخبرنا حماد بن سلمة عن ثابت" الحديث.

(۲۵) وفي الاصل "مسلمه".

(۲۶) الطبقات، لابن سعد ۱/ ۱۲۴.

الفوائد

[في تكريم ابوي النبي صلى الله عليه وسلم]

[فائدة: ۱]

عبد الله ابو النبي صلى الله عليه وسلم
(۵۷) قال الحافظ صلاح الدين عاش من العمر نحو ثمانين عشرة سنة ووالدته نحو العشرين سنة تقريبا

(۵۸) وقال الواقدي عاشت خمسا وعشرين سنة
(۵۹) قال السيوطي مرَّ عبد الله بالمدينة في سفره الى الشام ورجع فدخلها وهو مريض فاقام بها شهرا مريضا ومات^(۱) وأما آمنة فقدِمَت المدينة زائرة لاقاربها فاقامت بها ايضا شهرا ومعها النبي صلى الله عليه وسلم فرجعت فماتت بالطريق^(۲)

(۱) واكثر على ان عبد الله مات ورسول الله صلى الله عليه وسلم في المهد ابن شهرين او اكثر من ذلك بل مات عبد الله عند اخواله بني النجار ورسول الله ابن ثمان وعشرين شهرا ويقال انه دفن في الدار النانعة في الدار الصغرى اذا دخلت الدار على يسارك في البيت (راجع الطبري والروض الانف) فقال ولكن قال ابن هشام في كتابه السيرة النبوية "ثم لم يلبث عبد الله بن عبد المطلب ابو رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هلك وام رسول الله حامل به"

(۲) قال ابن هشام في كتابه السيرة النبوية (۱: ۱۶۸): قال ابن اسحاق حدثني عبد الله بن ابي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم ان ام رسول الله صلى الله عليه وسلم آمنة توفيت ورسول الله صلى الله عليه وسلم ابن ست سنين بالابواء بين مكة والمدينة كانت قد قدمت به على اخواله من بني عدى بن النجار تزيره اياهم فماتت وهي راجعة الى مكة ويقال ان قبر آمنة بنت وهب في شعب ابي ذر بمكة (راجع الطبري)

[فائدة: ۲]

قوله تعالى ﴿وَتَقَلَّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾^(۳) يمكن أن يحمل على أن أبائنا صلى الله عليه وسلم كلهم كانوا مؤمنين ساجدين^(۴) كذا قال السيوطي^(۵) وقال الحافظ شمس الدين ابن ناصر الدين قطعة -

وينقل^(۶) أحمد نوراً عظيماً تلالا في وجوه^(۷) الساجدين تقلب فيهم قرناً فقرناً الى أن جاء خير المرسلين^(۸) قال الصفدي بعد ذكر حليمة وما أكرمها رسول الله صلى الله عليه وسلم به حين قدمها عليه صلى الله عليه وسلم قطعة:

هذا جزاء الام عن ارضاعه لكن جزا الله عنه عظيم وكذا لك ارجو أن يكون لأمه عن ذاك آمنة يد ونعيم

(۳) القرآن الكريم: الشعراء (۲۷/۲۱۹).

(۴) وقد عزا هذا بعض المفسرين إلى حبر الامة عبد الله بن عباس رضي الله عنهما... وفيه نظر... كما صرح به عبدالرحمن الوكيل (المحشى للروض الانف) تحت هذه الرواية. "امامنا نقله البزاز وابن ابى حاتم عن ابن عباس فهو كلام مقترى على حبر هذه الامة ابن عباس ولهذا لم تخرج احد رواة الحديث في صحيحه أو مسنده أو سننه (۲/۶۳-۶۴).

(۵) وبه جزم في تفسيره الدر المنثور ۳۳۱/۵ (دار الكفر: بيروت)... ونقل عن مجاهد انه قال: يعنى من نبى الى نبى حتى اخرجت نبيا وعن ابى نعيم في الدلائل عن ابن عباس قال ما زال النبى صلى الله عليه وسلم يتقلب في اصلااب الانبياء حتى ولدته امه (۵/۳۳۲).

(۶) وفي مسالك (ص ۱۸) "تنقل" وهو تصحيف.

(۷) وفي الاصل: وجود وهو تصحيف.

(۸) مسالك ص ۱۸.

ويكون احياها الاله وآمنت
فلربما سعدت به ايضا كما
بمحمد فحديثها معلوم
سعدت به بعد الشقاء حلیم^(۹)

[فائدة: ۳]

قال الامام السهيلي في الروض الأنف بعد ايراد حديث مسلم وغيره "وليس لنا أن نقول ذلك في ابويه صلى الله عليه وسلم لقوله صلى الله عليه وسلم "لا تؤذوا الاحياء بسب الأموات" والله تعالى يقول ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾^(۱۰) (۶۰) وسئل القاضي ابوبكر بن العربي أحد أئمة المالكية عن رجل قال ان ابا النبى صلى الله عليه وسلم في النار فافتى بانه ملعون لأن الله تعالى يقول ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾^(۱۱) ولا أذى اعظم من أن يقال ابوه في النار. (۶۱) وذكر القاضي عياض في الشفاء أن كاتب عمر بن عبدالعزيز قال بحضرته كان ابو النبى صلى الله عليه وسلم كافرا فعزله وقال لا تكتب لى ابدا^(۱۲) والأثر في الحلية لأبى نعيم وفي ذم الكلام للهروى ففيه (۶۲) أنه لما سمعه قال ذلك وغضب غضبا شديدا وعزله من الدواوين.

[فائدة: ۳]

اورد المحب الطبري في كتاب ذخائر العقبي
(۶۳) عن ابى هريرة قال جاء ت سبيعة بنت ابى لهب الى النبى

(۹) مسالك ص ۱۸.

(۱۰) الاحزاب (۵۸/۳۳) وانظر السهيلي ۱۸۶/۲ وبعد.

(۱۱) الاحزاب (۵۸/۳۳).

(۱۲) مسالك للسيوطي ص ۲۸، ۲۹ وعزاة انى القاضي عياض.

صلی اللہ علیہ وسلم، فقالت یا رسول اللہ إن الناس يقولون أنت بنت حطب النار، فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو مغضب فقال ما بال قوم يؤذوننی فی قرابتی من آذی قرابتی فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ (۱۳).

[فائدة: ۵]

(۶۴) فی الصحیحین أن أبا لهب روى فی النوم فقال لم ألق بعدكم خيراً غیر أنى سقیت فی هذه بعثت فی ثوبية.
(۶۵) قال السيوطی ثوبية مولاة لابی لهب كان ابولهب اعتقها وكانت ارضعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشدة ما لقی منه بكونه أعتق من أرضعته فما ظنك بمن حملته فی بطنها تسعة اشهر وولدتها وارضعته ایاماً وربته سنين (۱۴).

[فائدة: ۶]

حكى أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما تولد أبشرت ثوبية بولادته أبا لهب فاستبشرته فاعتقها وكان ذلك اليوم يوم الاثنين فكلما جاء يوم الاثنين يرتفع العذاب عن ابی لهب لذلك الاستبشار والاعتاق واللہ اعلم.

قد تم ما لخصته من رسائل السيوطی فی تقدیس آباء البنی صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول سنة ۱۱۹۱ هجرى صلی اللہ علیہ وسلم صاحبها من الصلوة اكملها من التحیات اتمها.

يقول العبد الراجی رحمة ربه القربی ابوالحسن زيد الفاروقی المجددی بأنی قد نقلت هذه الرسالة الشريفة فی تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم للعالم الحریر

والحبر الكبير القاضي محمد ثناء اللہ العثماني رضى اللہ عنه وارضاه فی يوم السبت العشرين من الشهر المبارك الذى ولد فيه سيد العرب والعجم صلوة اللہ وسلامه عليه سنة سبع وخمسين وثلاثمائة بعد الالف من الهجرة على صاحبها الف صلوة وتحية وذاك فی شمله سمرهـل . هاؤس الدور فوقانى، ولله الحمد.

ويقول العبد الراجی رحمة ربه، محمود الحسن عارف، بانه تم نقلها وتحقیقها بيوم الخميس، السابع من شهر رمضان المبارك (۱۴۲۰ الهجرية / ۱۹۹۹ الميلادية). فی دارالعرفان، گلشن راوی، لاهور. وصلى اللہ على حبيبہ محمد وآله وازواجه وذريته واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.



نماز سے متعلق مسائل پر قرآن و سنہ کے حوالوں سے مرتب کردہ
ڈاکٹر محمود الحسن عارف کی ایک اہم تصنیف

نماز حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

جس سے چھوٹے اور بڑے سب استفادہ کر سکتے ہیں

☆ وضو کا طریقہ اور اس کے فرائض و سنن

☆ نماز ادا کرنے کا مسنون طریقہ

☆ باجماعت نماز اور اس کے متعلقات

☆ نماز تہجد اور اس کی فضیلت

☆ نماز جمعہ اور عیدین

☆ نماز تسبیح، استسقاء، کسوف اور خسوف کا طریقہ

☆ نماز جنازہ کی شرائط اور دعائیں

☆ نماز کے بعد کون کون سے ذکر یا دعائیں مسنون ہیں

تعلیمی اداروں کے لیے انتہائی رہنما کتاب

☆ اعلیٰ تحقیقی معیار ☆ نفیس طباعت ☆ عمدہ کاغذ

مرکز ادب اسلامی

735- ہما بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔

فون : 5416396 / 7460474